بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝

(نسآء آیت ۷۰)

فیضانِ نبوّت

از

افاضات

مولٰنا ابوالبرکات غلام رسول صاحب قادری رحبکی رضی اللہ عنہ

پیشکش

توضیح

یہ کتابچہ دراصل حضرت والد ماجد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے مختلف مضامین کی تلخیص و تسہیل ہے لیکن
کسی قدر نئی ترتیب کے ساتھ۔

مرتبہ
مُبشّر احمد راجیکی

فہرست مضامین :- "فیضانِ نبوّت"

مذہب اور نبوّت :- صـ ۳ تا ۲۴

مذہب کی اہمیت۔

مذہب کے عالمِ وجود میں آنے کا باعث۔

مذہب کا مفہوم۔

مذہب اور عقل۔

مذہب اور امن۔

مذہب اور غیر متناہی ترقیات۔

منصبِ نبوّت کے لوازمات۔

انبیاء کے اوصاف۔

انبیاء کے اغراض و مقاصد۔

انبیاء کی مخالفت کی وجہ۔

انبیاء کی تعلیم کے اثرات۔

ختمِ نبوّت کی حقیقت صـ ۲۵ تا ۳۵

نبی کے معنے اور اسکی تعریف۔

نبوّت کی اقسام۔

بعض علماء سے گفتگو۔

کیا خاتم النبیّین محلِ مدح پر ہے؟

ختمِ نبوّت اور احادیثِ نبویّہ صـ ۳۶ تا ۴۴

حدیثوں کا جائزہ۔

ختمِ نبوّت اور قرآنِ مجید۔ صـ ۴۵ تا ۶۰

ختم کے مشتقات۔

ایک مولوی صاحب سے گفتگو۔

خاتم کا مطلب۔

عیسیٰ علیہ السلام کی آمدِ ثانی۔

کیا تاویل جائز ہے۔

امّتی نبی کی اصطلاح۔

آیت خاتم النبیّین کی تشریح صـ ۶۱ تا ۷۸

شانِ نزول۔

دو قسم کے اعتراض۔

جواب کی مختلف صورتیں۔

آیاتِ قرآنی ذوالوجوہ ہیں۔

آیتِ موصوفہ کا دوسرا مطلب۔

رُوحانی ابوّت کی توجیہہ۔

آیتِ موصوفہ کا ماحصل۔

بعض جدید علماء کے حوالے۔
ختمِ نبوت اور تکمیلِ دین ص ۷۹ تا ۱۰۰
واقعاتی جائزہ۔

فیضانِ ربوبیت کے منکرین سے
چند سوال۔ ص ۱۰۱ تا ۱۰۶
سوالات کی تفصیل۔

فہرستِ مضامین:۔ "تنویرِ رسالت"

انقطاعِ نبوت کے دلائل کا جائزہ۔ ص ۱۰۹ تا ۱۸۴

پہلے سوال کا جواب ص ۱۱۰ تا ۱۲۰
دوسرے 〃 〃 〃 ص ۱۲۰ تا ۱۲۱
تیسرے 〃 〃 〃 ص ۱۲۱ تا ۱۲۳
چوتھے 〃 〃 〃 ص ۱۲۳ تا ۱۲۷
پانچویں 〃 〃 〃 ص ۱۲۷ تا ۱۲۹
چھٹے 〃 〃 〃 ص ۱۲۹ تا ۱۳۳
ساتویں 〃 〃 〃 ص ۱۳۳ تا ۱۳۶
آٹھویں 〃 〃 〃 ص ۱۳۷ تا ۱۳۹

نویں سوال کا جواب ص ۱۳۹ تا ۱۴۱
دسویں 〃 〃 〃 ص ۱۴۱ تا ۱۴۴
گیارھویں 〃 〃 〃 ص ۱۴۴ تا ۱۴۷
بارھویں 〃 〃 〃 ص ۱۴۷ تا ۱۵۰
تیرھویں 〃 〃 〃 ص ۱۵۰ تا ۱۵۴
چودھویں 〃 〃 〃 ص ۱۵۴ تا ۱۵۶
پندرھویں 〃 〃 〃 ص ۱۵۶ تا ۱۵۸
سولھویں 〃 〃 〃 ص ۱۵۸ تا ۱۶۳
سترھویں 〃 〃 〃 ص ۱۶۳ تا ۱۷۰
اٹھارھویں 〃 〃 〃 ص ۱۷۸ تا ۱۸۴

تأثرات۔ ص ۱۸۴ تا ۱۹۲

فیضانِ نبوّت

اِسلام کا خدا

کسی پر اپنے فیض کا دروازہ بند نہیں کرتا، بلکہ اپنے دونوں ہاتھوں سے بُلا رہا ہے کہ میری طرف آؤ اور جو لوگ پورے زور سے اس کی طرف دوڑتے ہیں ان کے لئے دروازہ کھولا جاتا ہے۔

(حقیقۃ الوحی صـ۶۱-۶۲)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

فیضانِ نبوّت

مذہب اور نبوّت

مذہب کی اہمیّت یاد رہے کہ کسی چیز کی افادیّت کا اندازہ اس کی طویل العمری اور اس کی ہمہ گیری سے ہی لگایا جا سکتا ہے۔ اور مذہب عمر کے لحاظ سے اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ آدم زاد۔ اور اس کی ہمہ گیری کا یہ عالم ہے کہ رُبع مسکون کا شاید ہی کوئی خطّہ ایسا ہو جہاں اس کے پیروکار موجود نہ ہوں۔ حتّٰی کہ افریقہ کے تاریک برِّ اعظم میں بھی مذہب کے شیدائی اسی طرح پائے جاتے ہیں جس طرح یورپ اور ایشیاء میں۔ ظاہر ہے کہ کوئی غیر مفید چیز اپنا حلقۂ اثر اتنا وسیع نہیں بنا سکتی۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ مذہب میں نفع رسانی کے غیر معمولی جوہر ہیں۔

مذہب کے عالمِ وجود میں آنے کا باعث اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ مذہب کو دو چیزوں نے جنم دیا ہے۔ ایک خدا کی رحمت اور دوسرے

انسان کی احتیاج نے۔ اگر خدا رحیم اور انسان محتاج نہ ہوتا تو مذہب بھی عالمِ وجود میں نہ آتا آیتِ کریمہ ہے کہ:۔

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ۔ (انعام آیت ۵۵)

تمہارے پروردگار نے اپنے آپ پر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔

اور وجہ یہ بتائی کہ:۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللّٰهِ۔ (فاطر آیت ۱۶)

اے لوگو تم سب کے سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو۔

اور تسلّی بھی دی کہ:۔

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى۔ (لیل آیت ۱۳)

تمہارے لئے ہدایت کے سامان پیدا کرنا ہمارے ذمّہ ہے۔

اور مایوسی کا یوں قلع قمع فرمایا کہ:۔

وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ۔ (حجر آیت ۲۲)

ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے موجود ہیں۔

مذہب کا مفہوم

یاد رہے کہ مذہب کے لغوی معنے راستہ کے ہیں جس کے ذریعہ انسان اپنی منزلِ مقصود پر پہنچتا ہے اور عقل بھی اس ضرورت کو تسلیم کرتی ہے کہ منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ ضرور ہونا چاہیئے اور اصطلاحی معنوں کے لحاظ سے مذہب اس طریق کار کو کہتے ہیں جو خدا نے خود اپنے بندوں کے لئے الہام کے ذریعہ مقرر فرمایا ہو اور جس کو اختیار

کر کے انسان فلاحِ دارین حاصل کر سکے۔ ظاہر ہے کہ انسان کا جسم اور اس کی روح نہ تو اس کے اپنے پیدا کردہ ہیں اور نہ ہی اس کے اپنے خرید کردہ کہ وہ اپنی زندگی کا راستہ خود مقرر کرے۔ لامحالہ اس کی زندگی کا راستہ مقرر کرنا بھی اسی کا حق ہے جس نے اس کو پیدا کیا ہے اور اس کی منزلِ مقصود متعین کرنا بھی اسی کا حق ہے جس نے اسے خلعتِ وجود بخشا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان اپنے اندر نہایت اعلیٰ قسم کی استعدادیں رکھتا ہے۔ لیکن جس طرح وہ اپنی جسمانی نشوونما کے لئے مختلف سہاروں کا محتاج ہے اسی طرح وہ اپنی روحانی نشوونما کے لئے بھی مختلف سہاروں کا محتاج ہے اور جس طرح عقل رکھنے کے باوجود وہ زمینی علوم کو خود بخود نہیں سیکھ سکتا بلکہ کسی استاد کی راہنمائی کا حاجتمند ہے اسی طرح آسمانی علوم کو بھی وہ محض اپنی عقل سے نہیں سیکھ سکتا بلکہ کسی استاد کی رہنمائی کا حاجت مند ہے۔ عقل بے شک ایک مفید چیز ہے لیکن جس طرح آنکھ خارجی روشنی کے بغیر کچھ نہیں دیکھ سکتی۔ اسی طرح عقل بھی الہام الٰہی کے بغیر حقائقِ اشیاء کا صحیح ادراک نہیں کر سکتی۔ اور جس طرح انسان جو چیزیں خوردبین اور دُوربین کے ذریعہ دیکھ سکتا ہے وہ محض آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ اسی طرح خدا کا نبی جو کچھ وحیٔ الٰہی کے ذریعہ معلوم کر سکتا ہے۔ وہ دنیا کے دانشور محض عقل سے دریافت نہیں کر سکتے اور نہ عقل کے ذریعہ انکشافِ حقائق کا وہ یقینی مرتبہ ہی حاصل کر سکتے ہیں جو وحی الٰہی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے بلکہ عقل کی کوتاہ اندیشی تو

اس بات سے ہی ظاہر ہے کہ حکمائے یونان اپنی عقلی تحقیقات کی بناد پر زمین کو ساکن اور آسمان کو چکّی کی طرح متحرک کہتے تھے اور کواکب کو ڈولوں کی طرح آسمان سے پیوستہ قرار دیتے تھے۔ لیکن موجودہ ہیئت دانوں کی عقلی تحقیقات نے ان تمام نظریات کو باطل ٹھہرایا ہے اور اب کائناتِ عالم کے متعلق بالکل اَور ہی قسم کے نظریات پیش کئے جا رہے ہیں۔ اور بہت ممکن ہے کہ آگے چل کر ان نظریات کو بھی غلط قرار دے دیا جائے پس عقلی مُوشگافیاں انسان کو یقین کامل کے مرتبہ پر نہیں پہنچا سکتیں اس کے لئے وحیِ الٰہی کی روشنی درکار ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسانی عقل نے تمدّنی قوانین وضع کئے ہیں لیکن ناقص طور پر جن کے مہلک نتائج آئے دن اقوامِ عالم کو بھگتنے پڑتے ہیں۔ اور پھر مجبوراً ان میں ترمیم و تنسیخ کرنا پڑتی ہے پس دنیا کو ایک ایسے مقنّن کی ضرورت ہے جو انسان کی تمام ضروریات کا خیال رکھے اور ذاتی اور قومی اور ملکی مفادات سے بالا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسا مقنّن خالقِ کائنات ہی ہو سکتا ہے مفاد پرست انسان کی مصلحت اندیش عقل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی انسانی قوانین کی گرفت کا خطرہ لوگوں کو پوری طرح جرائم سے روک سکتا ہے کیونکہ انسانی زندگی کا بہت تھوڑا حصّہ ایسا ہے جو براہِ راست قانون کی نگرانی میں ہوتا ہے اور اس کا معتدبہ حصّہ ایسا ہے جو

قانون کی نگرانی میں نہیں ہوتا۔ ہاں خدائی ضابطۂ حیات ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور خلوت و جلوت میں انسان کو جرائم سے روکتا ہے اور اس بارے میں کامیاب ثابت ہؤا ہے کیونکہ خدا کے حاضر و ناظر ہونے اور اس کے حضور اپنے اعمال کے لئے جوابدہ ہونے کا احساس ہر وقت انسان کے دل و دماغ پر مستولی رہتا ہے اور اسے ہرزہ کاری سے باز رکھتا ہے۔ پس یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ مذہب کی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ ہر شخص کسی نہ کسی مذہب کا پابند ہے اور اس کی ضرورت کو تسلیم کرتا ہے۔ البتہ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ آیا وہ راستہ بہتر ہے جو خود انسان نے اپنے لئے تجویز کیا یا وہ راستہ بہتر ہے جو خدا نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ ناقص انسان کی ناقص عقل کا تجویز کردہ راستہ اس راستہ کے برابر نہیں ہو سکتا جو خدا کی کامل ہستی نے اپنے کامل علم کی بناء پر خود اپنے بندوں کی فلاح و بہبود کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

مذہب اور عقل

اگر کہا جائے کہ مذہب سے انسان کی عقل ناکارہ ہو جاتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ناکارہ وہ چیز ہوتی ہے جو استعمال میں نہ لائی جائے لیکن قرآنِ حکیم بار بار اس امر کی تلقین فرماتا ہے کہ عقل سے کام لو۔ اپنی حالت پر غور کرو۔ کائناتِ عالم کی تخلیق میں تدبّر کرتے رہو۔ پس قرآنِ حکیم کا حکم ماننے کے نتیجہ میں تو عقل ناکارہ نہیں ہو سکتی۔ البتہ

اس کے حکم سے روگردانی کی وجہ سے عقل کے ناکارہ ہوجانیکا احتمال ضرور ہے۔ علاوہ ازیں اس امر پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ مذہب کا مقصد کیا ہے؟ مذہب کا مقصد تو یہ ہے کہ انسان کا اُس ہستی سے تعلق استوار ہوجائے جو سراپا نور ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (نور۔ آیت ۳۶) پس ایسی ہستی کے ساتھ تعلق قائم ہونے سے عقل میں جلا تو پیدا ہو سکتی ہے وہ کُند نہیں ہو سکتی۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ عقل کی مثال آنکھ کی طرح ہے۔ پس آنکھ کو جس قسم کا فائدہ خارجی روشنی یا خوردبین اور دُوربین کے شیشوں سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی قسم کا فائدہ عقل کو الہام کے نور یا کشف اور رؤیا کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ بات قرآنِ کریم سے بھی ظاہر ہے کہ انسان جہاں تک وحیٔ الٰہی کی روشنی میں دیکھ سکتا ہے وہاں تک محض عقل کے ذریعہ سے نہیں دیکھ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جس قدر بانیانِ مذاہب گزرے ہیں ان میں سے ہر ایک نے اپنے دعوے کے ساتھ ہی یہ خبر بھی دے دی تھی کہ اس کی تعلیم پھیل کر رہے گی اور اس کے ساتھ ٹکرانے والا پاش پاش ہوجائے گا۔ اور باوجود اس کے کہ وہ دنیوی لحاظ سے نہایت کمزور تھے اور باوجود اس کے کہ ان کی تعلیم زمانہ کی رَو کے خلاف تھی اور باوجود اس کے کہ ان کی شدید مخالفت کی گئی پھر بھی وہ کامیاب ہوئے اور ان کی تعلیم پھیل کر رہی اور محض عقل

پر بھروسہ کرکے ان کا مقابلہ کرنے والے ناکام و نامراد ہوئے مثال کے طور پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پر غور کیجئے۔ کیا اس وقت کوئی شخص یہ گمان کرسکتا تھا کہ صنادیدِ عرب اپنے تمام لاؤ لشکر سمیت شکست کھا جائیں گے اور نبی اکرمؐ جیسے اُمی دبیکس کو فتح حاصل ہوگی اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کے غلام قیصر و کسریٰ کی عظیم الشان حکومتوں کو تہ و بالا کردیں گے۔ اور اسلام کی تعلیم دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل جائے گی؟ ہرگز نہیں بلکہ اس وقت کے مخصوص حالات کو دیکھ کر ہر عقلمند یہی سمجھتا تھا کہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا جائیگا اور اسلام کا کوئی نام لیوا دنیا میں باقی نہیں رہے گا۔ ہاں اس بے سروسامانی کے عالم میں خدا کے رسولؐ نے بے شک قبل از وقت یہ اعلان کردیا تھا کہ انشاء اللہ ہم ہی غالب آئیں گے۔ اور ہمارا دشمن خائب و خاسر رہے گا۔ چنانچہ واقعات گواہ ہیں کہ ایسا ہی ہوا۔ پس ان تاریخی حقائق سے بھی ثابت ہے کہ الہامی بصیرت کے مقابلہ میں عقلی تخمینے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔

علاوہ ازیں اس امر پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عربوں کی حالت کیا تھی؟ اور پھر وہی عرب حلقۂ اسلام میں داخل ہوکر کہاں سے کہاں جا پہنچے اور نہ صرف ان کی رُوحانی اور اخلاقی حالت ہی بہتر ہوگئی۔ بلکہ انہوں نے

مادی علوم وفنون میں بھی ایسا کمال حاصل کیا کہ دنیا کے گوشے گوشے سے صدائے آفرین بلند ہونے لگی۔ پس جس مذہب نے اپنی قوتِ قدسیہ سے عربوں جیسی پسماندہ قوم کو زمین سے اُٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا وہ مذہب لائقِ صد تحسین ہے نہ کہ قابلِ نفرین۔

اور پھر اس امر پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ عقل ہے کیا چیز؟ فقط ایک قوتِ ادراک۔ اور اگر اس قوتِ ادراک کو تاریخ اور مشاہدہ اور تجربہ کی رہنمائی نقصان نہیں پہنچاتی تو الہام کی رہنمائی کیسے نقصان پہنچا سکتی ہے پس یہ ایک سراسر باطل خیال ہے کہ مذہب عقل کو ناکارہ بنا دیتا ہے ؎

ہست بر عقل منتِ الہام
کہ از و پخت ہر تصوّرِ خام

(دُرِّ ثمین فارسی)

خلاصہ کلام یہ کہ مذہب عقل کو بیکار نہیں کرتا بلکہ ان دقائق تک پہنچاتا ہے۔ جن تک عقل کے لئے خود بخود پہنچنا سخت مشکل تھا اور اس طرح انسان کو ناحق کی سرگردانی سے بچا لیتا ہے کیونکہ عقلی تخمینوں میں غلطی کا صدور ممکن ہے لیکن عالم الغیب خدا کے الہام میں غلطی کا صدور ممکن نہیں۔ پس سچا الہام عقل کو ترقی سے نہیں روکتا بلکہ سرگردانی سے روکتا ہے اور مختلف مشکوک راستوں میں سے اُسی خاص راستے کی طرف اس کی رہنمائی کرتا ہے جو منزلِ مقصود

تک لے جاتا ہے۔ پس عقل اور الہام ایک دوسرے کے نقیض نہیں اور نہ ہی الہام عقلی ترقیات سے مانع ہے بلکہ عقل کا معاون و مددگار ہے اور اس کے لئے چراغِ راہ کا کام دیتا ہے اور اسے کمالِ مطلوب تک پہنچاتا ہے۔

قرآنِ حکیم میں وحیٔ الٰہی کی مثال نور کے علاوہ بارش سے بھی دی گئی ہے۔ پس جس طرح بارانِ رحمت سے خشک زمین میں قوتِ نمو پیدا ہو جاتی ہے اور ہر طرف سبزہ ہی سبزہ لہلہانے لگتا ہے۔ اسی طرح وحیٔ الٰہی کے فیض سے ناکارہ قوموں میں قوّتِ عمل پیدا ہو جاتی ہے اور ان کا دامن حسناتِ دارین کے موتیوں سے بھر جاتا ہے۔

مذہب اور امن رہا یہ امر کہ مذہب فتنہ و فساد کا موجب ہے تو اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ مذہب کی تعلیم پر عمل کرنے کے نتیجہ میں کبھی فساد رُونما نہیں ہوُا اور نہ ہی کسی مذہب کی الہامی کتاب فتنہ و فساد کو جائز قرار دیتی ہے اور قرآنِ مجید تو واشگاف الفاظ میں فرماتا ہے کہ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ (بقرہ آیت ۱۲) کہ زمین میں فساد نہ کرو۔ البتہ مذہبی لوگوں کے خلاف طاغوتی طاقتیں ضرور آمادۂ فساد رہتی ہیں تاکہ ان کی سفلی خواہشات پوری ہو سکیں لیکن ظاہر ہے کہ حق کو اس لئے تصوُّرار نہیں ٹھہرایا جا سکتا کہ اس کی وجہ سے باطل کو فتنہ آرائی کا موقع ملتا

ہے۔ باقی رہیں وہ جنگیں جو وقتاً فوقتاً بانیانِ مذاہب کو کرنا پڑی ہیں تو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ جنگیں یا تو دفاعی نوعیت کی تھیں یا قیامِ امن کے لئے یا مظلوموں کو ان کا حق دلانے کے لئے کی گئی تھیں۔ ظاہر ہے کہ دنیا کا کوئی انصاف پسند انسان ان جنگوں کی وجہ سے مذہب کو قابلِ مذمّت قرار نہیں دے سکتا۔ اور اگر بعض لوگوں نے مذہب کا نام لے کر اپنے ذاتی مفاد کے لئے جنگیں کی ہیں تو ان کی وجہ سے بھی مذہب پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا بلکہ ان لوگوں کا ہی جرم ثابت ہوتا ہے جنھوں نے مذہب کا استحصال[1] کیا۔ اور پھر اعتراض کرنیوالوں کو یہ بھی خیال کرنا چاہیئے کہ اگر مذہب کے نام پر چند خودغرض لوگوں کا جنگ کرنا قابلِ نفرت فعل ہے اور بقول ان کے یہ بات ان کو ترکِ مذہب پر مجبور کرتی ہے تو کیا آئے دن جو جنگیں دُنیاداروں کے درمیان محض دنیوی مفادات کی خاطر ہوتی رہتی ہیں وہ اُنکی

---

[1] جنگ وجدل انسان کی جبلّت ہے لیکن عجیب بات ہے جب بھی جنگ اتفاقاً مذہبی طبقات میں چھڑ جاتی ہے تو لوگ مذہب دشمنی کی وجہ سے اس کی ذمہ داری بجائے انسانوں کے اس مذہب پر ڈال دیتے ہیں جو مذہب اتفاقاً ان لڑنے والوں کا ہوتا ہے حالانکہ مذہب صرف دفاعی جنگ کی اجازت دیتا ہے اور وہ بھی حدود وقیود کے اندر۔ کیا مذہبِ اسلام سے قبل عرب قبائل نہیں لڑتے تھے اور کیا ان کی جنگیں مذہب کی خاطر ہوتی تھیں؟

وجہ سے دُنیا چھوڑ دیں گے؟ دیدہ باید۔ علاوہ ازیں انہیں یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ محض عقل پر بھروسہ کرنے کا انجام کیا ہوتا ہے؟ کیا موجودہ نارِ حرب عقلمندوں کی سُوءِ تدبیر کا نتیجہ نہیں؟ کیا دنیا میں یہ تباہی و بربادی مذہب کی تعلیم پر عمل کرنے کی وجہ سے پھیل رہی ہے یا مذہب کی تعلیم کو پس پُشت پھینکنے کی وجہ سے؟ اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ جب کوئی مغلوب قوم صلح کے لئے ہاتھ بڑھاتی ہے تو اُسے بلا شرط ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا جاتا ہے حالانکہ غالب آنے والی قومیں اگر خود مغلوب ہوتیں تو کبھی اس بات کو پسند نہ کرتیں۔ اور پھر یہ خیال بھی نہیں کیا جاتا کہ اگر سوءِ اتفاق سے آج ایک قوم مغلوب ہو گئی ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ کسی دوسرے وقت یہی مغلوب قوم غالب آجائے؟ کیا رات کا دَور دائمی ہے یا دن کا دَور ہمیشہ رہنے والا ہے؟ انقلاب کے دروازہ کو پہلے کوئی بند کر سکا ہے کہ آئندہ وہ بند رہ سکے گا؟ پس غالب کو مغلوب پر رحم کرنا چاہیئے کہ یہی مغلوب کو اس کے غلبہ کے وقت اپنے اُوپر مہربان بنانے کی صحیح تدبیر ہے۔ دیکھئے انسانی جانوں کو ضیاع سے بچانے کے لئے اسلام اس بارے میں کیا پُر حکمت تعلیم دیتا ہے کہ:۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (انفال آیت ۶۲)

یعنی اگر کسی وقت تیرے دشمن صلح کی طرف جھکیں تو تُو فوراً ان کی بات مان لے اور یہ وہم مت کر کہ شاید وہ دھوکہ دے رہے ہوں بلکہ اللہ پر توکّل رکھ۔ وہ دعاؤں کا سُننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

الغرض عقل کی ملمّع کاریوں سے کبھی امن قائم نہیں ہو سکتا دنیا میں جب بھی امن قائم ہوا مذہب کے ذریعہ قائم ہو گا اور مذاہب عالم میں سے بھی صرف اسلام کے ذریعہ قائم ہو گا کیونکہ قیامِ امن کے لئے جو تعلیم اسلام دیتا ہے وہی فطری تعلیم ہے اور اس پر ہی عمل پیرا ہو کر دنیا امن و سلامتی کا منہ دیکھ سکتی ہے۔ مثال کے طور پر قرآنِ حکیم کی ایک آیت ملاحظہ فرمائیے:۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ ج (نحل آیت ۹۱)

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ عدل کا حکم دیتا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر احسان کا بلکہ اس سے بڑھ کر تمام بنی نوع انسان سے قریبی رشتہ داروں جیسا سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور ہر قسم کی بے حیائی اور ناپسندیدہ باتوں اور بغاوت کے طریقوں سے روکتا ہے۔

غور فرمائیے جو بے نظیر تعلیم اس مختصر اور جامع آیت میں پیش کی گئی ہے

کیا دنیا کے سارے عقلمند مل کر بھی قیامِ امن کے لئے اس سے بہتر تعلیم پیش کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ پس اس فطری تعلیم پر اگر لوگ آج بھی عمل کرنا شروع کر دیں تو بلا ریب یہ دنیا امن و سلامتی کا گہوارہ بن جائے اور اس کی تمام سیاسی اور معاشی اور معاشرتی مشکلات آنِ واحد میں حل ہو جائیں اور سارا جہان ایک ایسے کُنبہ کی شکل اختیار کر جائے جس کا ہر فرد شفقت و محبت میں اپنی نظیر آپ ہو۔

خلاصہ کلام یہ کہ مذہب فتنہ و فساد کا باعث نہیں بلکہ ہر لحاظ سے امن و سلامتی کا موجب ہے۔ اس لحاظ سے بھی کہ مذہب دُنیا کو امن و سلامتی کی تعلیم دیتا ہے اور اس لحاظ سے بھی کہ اس کے ذریعہ ایک ایسا نظامِ اخوت قائم ہوتا ہے جو فتنہ و فساد کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ پھینکتا ہے اور اس لحاظ سے بھی امن و سلامتی کا موجب ہے کہ جب لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے دنیا پر خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے تو مومن اس عذاب سے امن میں رہتے ہیں۔ اور پھر اس لحاظ سے بھی مذہب امن و سلامتی کا موجب ہے کہ اس کے ذریعہ انسان اللہ تعالےٰ کی حفاظت میں آجاتا ہے۔ اور زمانہ کے حوادثات اسے ہلاک نہیں کر سکتے۔ ارشادِ ربّانی ہے:۔

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ط (لقمان آیت ۲۳)

یعنی جو شخص اپنی توجہ اللہ تعالےٰ کی طرف پھیر دیتا ہے
اور وہ اپنے عمل میں بھی پورا محتاط ہے تو گویا اُس نے
ایک محکم جائے گرفت کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

مذہب اور غیر متناہی ترقیات

اسلامی نقطۂ نگاہ سے انسان غیر متناہی ترقیات
کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (التین آیت ۵)
یعنی انسان کو اعلیٰ سے اعلیٰ استعدادیں دے کر پیدا کیا
گیا ہے تاکہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ ترقیات حاصل کر سکے۔
پھر فرماتا ہے:۔
وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل آیت ۱۷)
انسان اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے کل مخلوقات
پر فضیلت رکھتا ہے۔
پھر ارشاد ہوتا ہے:۔
هُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ۔ (فاطر آیت ۴۰)
یعنی اللہ تعالےٰ نے انسان کو اپنا جانشین بنا کر دنیا میں
بھیجا ہے تاکہ وہ اس کی صفاتِ حسنہ کو ظاہر کرے۔
اسی طرح ایک اور مقام پر فرماتا ہے:۔
وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ۔ (جاثیہ آیت ۱۴)

یعنی زمین و آسمان میں جو کچھ پایا جاتا ہے سب کا سب انسان کے لئے پیدا کیا گیا ہے تا کہ وہ قانونِ قدرت سے فائدہ اٹھا کر مخدومِ کائنات کا منصب حاصل کر سکے۔

مذکورہ بالا آیات سے ظاہر ہے کہ انسان درحقیقت موجوداتِ عالم کا مرکزی نقطہ ہے۔ اور اس کو اللہ تعالےٰ نے صاحبِ اختیار بنایا ہے کہ وہ جس قدر چاہے اور جس قسم کی چاہے ترقی کرے۔ البتہ اس کی رُوحانی ترقی کو خدا اور رسولؐ کی اطاعت سے مشروط کر دیا گیا ہے ارشادِ ربّانی ہے:۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ (نسآء آیت ۷۰)

یعنی جو لوگ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے آئندہ انہیں کو رُوحانی ترقیات حاصل ہو سکیں گی اور وہی ان لوگوں میں شامل ہوں گے جن پر اللہ تعالےٰ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین شہداء اور صالحین ہیں اور یہ لوگ بہت ہی اچھے رفیق ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے انسان کی جسمانی نشوونما کے لئے مختلف سامان پیدا کئے ہیں اسی طرح اس کی روحانی نشوونما کے لئے بھی مختلف سامان پیدا فرمائے ہیں جن میں سے ایک نبوت کی نعمت بھی ہے تاکہ اس کے جسمانی اور روحانی نظام میں مطابقت قائم رہے اور دنیا کو یقین آجائے کہ وہ خدا جو ربّ العالمین کہلاتا ہے نہ صرف عالمِ اجسام کا ربّ ہے بلکہ عالمِ ارواح کا بھی ربّ ہے۔ وقال سبحانہٗ تعالیٰ :-

یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ یَرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ (فاطر آیت ۴)

یعنی اے لوگو۔ اللہ تعالیٰ کی جو نعمت تمہیں عطا ہوئی ہے اس کا شکر ادا کرو۔ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے جو تمہیں روحانی نشوونما کے لئے آسمان سے رزق دے اور جسمانی نشوونما کے لئے زمین سے۔

منصبِ نبوّت کے لوازمات

یاد رہے کہ نبی خدا کی طرف سے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا جاتا ہے اور وہ تبشیر اور انذار کے ذریعہ سے لوگوں کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ اس کا عالمِ غیب سے نہایت گہرا تعلق ہوتا ہے وہ غیب کی آوازیں سنتا غیب کی چیزیں دیکھتا اور غیب کی خبریں

بتاتا ہے۔ اس کا قلب روح القدس کا مہبط ہوتا ہے اور اس کا سینہ اسرارِ الٰہی کا مخزن۔ خدا اس کو اپنے پاس سے علم دیتا ہے اور اس کے دل پر دقیق در دقیق نکات نازل کرتا ہے۔ نبی کے کمالات صرف پیشگوئیوں تک محدود نہیں ہوتے وہ دنیا کے سامنے انواع و اقسام کے معارف بھی پیش کرتا ہے۔

نبی اخلاقِ رذیلہ سے پاک ہوتا ہے کہ بدخو آدمی کسی کو خوش اطوار نہیں بنا سکتا۔ اس کے قول اور فعل میں کامل مطابقت ہوتی ہے کہ دورنگی نبی کی شان کے شایاں نہیں۔ اس کو ایک محکم یقین دیا جاتا ہے کہ بغیر اس کے ہوائے نفس سے رہائی ممکن نہیں۔ اس پر ایک نیستی طاری کی جاتی ہے کہ خالص توحید کا یہی تقاضا ہے۔ اس کو ایک قوی توکل عطا کیا جاتا ہے کہ خدا کے تعلق کی یہی علامت ہے۔ وہ صرصرِ حوادث میں ثابت قدم رہتا ہے اور طوفانِ مخالفت میں مستقل مزاج۔ اگر اس کو ہاونِ مصائب میں ڈال کر کوٹا جائے تو اس کے اندر سے بجز محبت الٰہی کے اور کچھ نہیں نکلتا۔ اس کا بھروسہ خدا پر ہوتا ہے اور وہی اس کو ہر میدان میں فتح و کامرانی سے ہمکنار کرتا ہے۔

نبی امن کا شہزادہ ہوتا ہے اور ملکِ روحانی کے تخت کا وارث۔ اس کو خدا کی طرف سے ایک خاص رعب عطا کیا جاتا ہے اور شاہانہ استغناء اس کے چہرے سے ٹپکتا ہے۔ وہ خدا کے

بالمقابل دنیا کو ایک مرے ہوئے کیڑے سے بھی کمتر سمجھتا ہے فقط اس قادرِ یگانہ کو جانتا ہے اور اسی کے خوف سے ترساں رہتا ہے نبی کے دامن سے ہی دنیا کو توحید کا آبدار موتی ملتا ہے اور اس کے ہاتھوں سے ہی لوگ معرفت کا شیریں جام پیتے ہیں ؎

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتوِ آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

نبی اللہ تعالےٰ کی صفات کا منظہر ہوتا ہے اور اس کی معجزانہ زندگی دنیا پر ثابت کر دیتی ہے کہ واقعی خدا کی قدرتیں غیر محدود ہیں وہ دنیا کو روحانیت کی اعلیٰ اقدار سے روشناس کراتا ہے اور لوگوں کو سفلی خواہشات کی دلدل سے نکال کر عالمِ قدس کے اُس سدابہار باغ میں لا کھڑا کرتا ہے جس کے ہر گوشے سے رضائے الٰہی کے پھولوں کی مہک آتی ہے۔ نبی گناہ کی نجاست سے پاک ہوتا ہے کہ گندے ہاتھوں سے میلے کپڑے صاف نہیں ہو سکتے۔ اس میں ایک مقناطیسی جذب ہوتا ہے جس سے سعید روحیں خود بخود اس کی طرف کھینچی چلی آتی ہیں۔ وہ معجزات بھی دکھاتا ہے مگر خدا کے اذن سے اس کی دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں مگر خدا کے فضل سے۔ اس کے زندگی بخش انفاس مردہ روحوں کے لئے مسیحائی کا کام دیتے ہیں اور اس کی روح پرور تعلیم دلوں کو اس یقین سے بھر دیتی ہے کہ واقعی انسان غیر متناہی ترقیات کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اس

کے لئے نہ صرف اس دنیا میں ترقیات کے دروازے کھلے ہیں بلکہ عالمِ آخرت میں بھی ترقیات کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

نبی لوگوں کو خدا پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے اور روزِ الست کا بھولا ہوا سبق ان کو یاد دلاتا ہے۔ حق یہ ہے کہ کائناتِ عالم میں نبی ہی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں خالقِ کائنات کا روئے زیبا اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے اور انسان اُس شاہدِ مستور کے دیدار کی اعلیٰ لذّات سے شاد کام ہو سکتا ہے جس کی اہلِ دل کو ہمیشہ تلاش رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام تورات میں فرماتے ہیں:۔

"کاش کہ خداوند کے سارے بندے نبی ہوتے"۔ (گنتی $\frac{11}{29}$)

رُوحانی معالج

یاد رہے کہ جسم اور رُوح اپنے حالات و کوائف میں ایک دوسرے سے مختلف نہیں جس طرح قانونِ قُدرت کی خلاف ورزی سے جسم بیمار ہو جاتا ہے اسی طرح قانونِ شریعت کی خلاف ورزی سے روح بیمار ہو جاتی ہے اور جس طرح جسم کے بیمار ہونے سے انسان کی زبان کا ذائقہ بدل جاتا ہے اور اسے میٹھی سے میٹھی چیز بھی کڑوی معلوم ہوتی ہے اسی طرح روح کے بیمار ہونے سے انسان کی فطرتِ صحیحہ کا توازن بگڑ جاتا ہے اور اسے نیک و بد کی تمیز نہیں رہتی۔ سو جس طرح جسمانی امراض کے دفعیہ کے لئے جسمانی طبیبوں کی حاجت ہے اسی طرح روحانی عوارض

کے ازالہ کے لئے روحانی معالجوں کی ضرورت ہے۔

انبیاء کے اوصاف

نبی کی ذات خیر و برکت کا سرچشمہ ہوتی ہے اور اس کی تعلیم فلاحِ دارین کی ضامن۔ جو لوگ اس کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں کامیاب ہو جاتے ہیں اور جو عمل نہیں کرتے ناکام رہتے ہیں۔ وہ داعی۔ ہادی مصلح بشیر۔ نذیر۔ محی۔ مزکی۔ معلّم اور امام ہوتا ہے۔ خدا خود اس کی رہنمائی کرتا ہے اور عالمِ غیب کے اسرار اس پر کھولتا ہے۔ وہ بدیوں سے منزّہ اور نیکیوں کا مجسّمہ ہوتا ہے اور اس کی تمام زندگی طاعتِ خالق اور خدمتِ مخلوق کے لئے وقف ہوتی ہے۔ دعوت و تبلیغ سے اس کا مقصد کوئی دنیاوی معاوضہ۔ شہرت۔ جاہ طلبی۔ جلبِ زر اور قیامِ سلطنت نہیں ہوتا بلکہ صرف احکام الٰہی کی بجا آوری اور خلقِ خدا کی بہبودی اس کے پیشِ نظر ہوتی ہے۔

انبیاء کے اغراض و مقاصد

نبی مناسب وقت پر بھیجا جاتا ہے اور جو لوگ بیہودہ توہّمات غلط افکار اور قبیح عادات کے خارزاروں میں بھٹک رہے ہوتے ہیں ان کو گلشنِ عافیّت سے ہمکنار کرتا ہے اور انہیں شک کی جگہ یقین۔ جہل کی جگہ علم اور بداطواری کی جگہ اعمالِ صالحہ کی دولت عطا کرتا ہے۔ اور اپنی روحانی تاثیرات سے ان کو عبودیتِ خالصہ کی اس بلندی پر پہنچا دیتا ہے جو انسانی پیدائش کی علّتِ غائی ہے۔

نبی کی بعثت سے قبل لوگ منتشر اور پراگندہ ہوتے ہیں وہ ان کو مرکزیت سے آشنا کرتا ہے اور اپنی قوتِ قدسیہ سے ان میں حقیقی یگانگت اور سچی الفت پیدا کرکے ایسا خدانما معاشرہ عالمِ ظہور میں لاتا ہے جس کو دیکھ کر فرشتے بھی رشک کرتے ہیں۔

انبیاء کی مخالفت کی وجہ

دنیا کے سامنے جو لائحۂ عمل نبی پیش کرتا ہے وہ چونکہ افراط و تفریط سے پاک ہوتا ہے اس لئے وہ لوگ جو بہیمانہ جذبات کے غلام ہوتے ہیں اسے اپنی طبعی آزادی کے خلاف پاکر اس کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کے استیصال کے درپے ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ انبیاء کی تعلیم کی یہ غرض نہیں ہوتی کہ انسان کے طبعی جذبات کو کچل دیا جائے بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے، کہ طبعی جذبات کو نقطۂ اعتدال پر لاکر انسان کو حقیقی انسان بنایا جائے ـــــ ایسا انسان جو نہ صرف بااخلاق ہو، بلکہ باخدا بھی ہو۔

انبیاء کی تعلیم کے اثرات

آج دنیا میں اگر کوئی شخص اللہ تعالےٰ کی عظمت کا قائل ہے یا اخلاقی اصولوں پر کاربند نظر آتا ہے تو یہ نبیوں کی مساعیٔ جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ آج وہی لوگ ادا کر رہے ہیں جو نبیوں کے پیروکار ہیں۔ اور اگر ایسے

افراد میں جو لا مذہب ہیں اوصافِ حمیدہ کی کوئی جھلک نظر آتی ہے، تو وہ بھی نبیوں کی تعلیم کا ہی فیض ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی ان کی تعلیم سے دانستہ طور پر فیضیاب ہو رہا ہے اور کوئی نادانستہ طور پر۔ بہرکیف جو لوگ ذہنی طور پہ نبیوں کے منکر ہیں وہ بھی عملی طور پہ ان کی ضرورت کا اقرار کر رہے ہیں اور غیر شعوری طور پہ ان کی ہدایات کو اپنائے ہوئے ہیں ؎

منتہائے عقل، تعلیم خداست
ہر صداقت را ظہور از انبیاست

(دُرِّ ثمین فارسی)

ختمِ نبوّت کی حقیقت

صحیح عقیدہ کی ضرورت یاد رکھنا چاہیئے کہ عقیدہ کی اصلاح عملی اصلاح سے مقدم ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر انسانی مساعی کا قدم صحیح جانب نہیں اٹھ سکتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ نبوّت کی ماہیّت سے آگاہ ہونے کی کوشش کی جائے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے کہ اسلامی تعلیم کی رُو سے نبی کس کو کہتے ہیں اور نبی مبعوث کئے جانے کے اسباب کیا ہیں؟

نبی کے معنے اور اس کی تعریف سوجانا چاہیئے کہ لُغوی لحاظ سے النّبی کے معنے المخبر عن اللہ کے ہیں (اقرب الموارد) یعنی اللہ تعالےٰ کی طرف سے خبر دینے والا۔ اور اصطلاحی لحاظ سے نبی اس برگزیدہ بندے کو کہتے ہیں جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے بکثرت امورِ غیبیہ پر مطلع کیا جائے اور اسی کی طرف سے نبی کا نام پاکر تبلیغ ہدایت کے لئے مبعُوث ہو اور وحیٔ الٰہی کی راہنمائی میں لوگوں کو باطل کے اندھیرے سے نکالکر حق کی روشنی میں لائے۔

اس سلسلہ میں بعض اقوال ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:۔

۱۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین صاحب ابنِ عربی فرماتے ہیں:۔

"لَیْسَتِ النُّبُوَّةُ بِاَمْرٍ زَائِدٍ عَلَی الْاَخْبَارِ الْاِلٰھِیِّ" (فتوحاتِ مکیّہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۱)

یعنی نبوّت اخبارِ الٰہی سے بڑھ کر کچھ نہیں۔

۲۔ حضرت امام ابنِ تیمیہ فرماتے ہیں:۔

"لَیْسَ مِنْ شَرْطِ الرَّسُوْلِ اَنْ یَّاْتِیَ بِالشَّرِیْعَةِ" (کتاب النبوّۃ)

یعنی رسول کے لئے یہ شرط نہیں کہ وہ ضرور شریعت لائے۔

۳۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیّہ فرماتے ہیں:۔

"نبی کے معنے صرف یہ ہیں کہ خدا سے بذریعہ وحی خبر پانیوالا ہو اور شرفِ مکالمہ مخاطبہ سے مشرف ہو۔ شریعت کا لانا اس کے لئے ضروری نہیں" (ضمیمہ براہین احمدیّہ حصّہ پنجم)

۴۔ اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ" (آل عمران آیت ۱۸۰)

یعنی اللہ تعالےٰ تم میں سے ہر ایک کو غیب پر مطلع نہیں کرسکتا مگر ہاں وہ اس امر کے لئے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے چُن لیتا ہے۔

۵۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًاۙ
اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (جن آیت ۲۷-۲۸)
یعنی غیب کا جاننے والا اللہ تعالےٰ ہی ہے اور وہ اپنے
غیب پر کسی کو بکثرت مطلع نہیں کرتا سوائے اپنے برگزیدہ
رسُول کے۔

نبوّت کی اقسام یاد رہے کہ قرآنِ مجید سے تین قسم کی نبوّت ثابت ہے۔ اوّل۔ تشریعی نبوّت۔ جو شریعت پر مشتمل ہوتی ہے۔ جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کی نبوّت تھی کہ جن پر تورات کی صورت میں شریعت نازل ہوئی یا جس طرح کہ ہمارے آقا سیّدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوّت تھی کہ جن پر قرآن مجید کی شکل میں دائمی شریعت کا نزول ہوُا۔

دوم۔ غیر تشریعی مگر مستقل نبوّت۔ جو شریعت کے بغیر ہوتی ہے مگر براہِ راست خدا سے ملتی ہے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں آنے والے نبیوں کی نبوت تھی۔ یہ نبی اگرچہ کوئی نئی شریعت نہیں لائے تھے۔ بلکہ موسوی شریعت کے معاون تھے لیکن ان کی نبوّت میں موسیٰ علیہ السلام کی فیض رسانی کا کوئی دخل نہ تھا۔ بلکہ انہوں نے خدا سے براہِ راست نبوّت کا انعام پایا تھا۔

سوم۔ غیر تشریعی غیر مستقل نبوّت۔ یہ نبوّت نہ تو نئی شریعت پر مشتمل ہوتی ہے اور نہ ہی خدا سے براہِ راست ملتی ہے۔ بلکہ یہ محض اتباعِ نبوی سے مشروط ہے۔ نبوّت کی یہ قسم جس کو ظلّی نبوّت بھی کہتے ہیں۔ اور جس کا حامل امتی نبی کہلاتا ہے ہمارے آقا حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ظہور میں آئی ہے۔ کیونکہ آپؐ سے پہلے نہ تو کسی نبی کو خاتم النبیّن کا بلند منصب ملا اور نہ ہی کسی کے دین کو ایسا کمال حاصل ہوا کہ اس کی پیروی کمالاتِ نبوّت بخش سکتی۔ پس امتی نبی ایک نئی اصطلاح ہے جو خاتم النبیّن کی نئی اصطلاح سے معرضِ ظہور میں آئی ہے۔

کونسی نبوّت بند ہے؟ یاد رہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم دو قسم کی نبوّتوں کو بند مانتے ہیں۔ ایک تشریعی نبوّت اور دوسرے غیر تشریعی مگر مستقل نبوّت۔ تشریعی نبوت کا بند ماننا آیتِ کریمہ:۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ (مائدہ آیت ۴)

اور آیتِ کریمہ:۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (حجر آیت ۱۰)

کے اقتضاء سے ہے کیونکہ آیت کریمہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ میں دین کے اکمال کا اعلان ہے اور آیت کریمہ اِنَّا

نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ میں اس کی حفاظت کا وعدہ ہے اور جب دین مکمل ہو جانے کے بعد محفوظ بھی ہو گیا تو نئے دین کی ضرورت بھی نہ رہی کیونکہ یہ امر اس کے دائمی ہونے پر دال ہے اور نئے دین کی ضرورت اس وقت پیش آیا کرتی ہے جب گذشتہ دین ناقص و نامکمل ہو یا غیر محفوظ ہونے کی وجہ سے محرّف و مبدّل ہو چکا ہو۔ قرآنی شریعت چونکہ مکمل بھی ہے اور محفوظ بھی ہے اس لئے تشریعی نبی کی ضرورت بھی نہ رہی۔

دوسری قسم کی نبوّت جسے ہم بند مانتے ہیں وہ غیر تشریعی مگر مستقل نبوّت ہے اور اسکا بند ماننا آیت کریمہ :-

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (نساء آیت ۷۰)

کے اقتضاء سے ہے۔ اور اس آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی شرط پیش کر کے اس امر کی تحدید کر دی گئی ہے کہ اب اس شخص کو ہی نبوّت کا انعام حاصل ہو سکتا ہے جو آپؐ کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہو وبس۔ یوں مستقل نبوّت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ اور اب کسی کو براہِ راست نبوت کا انعام حاصل نہیں ہو سکتا۔

تیسری قسم کی نبوّت کو جو غیر تشریعی غیر مستقل نبوّت ہے ہم بند نہیں مانتے کیونکہ اگر وہ بند ہوتی تو آیت کریمہ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ

وَالرَّسُوْلَ میں جو انعامات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے وابستہ کئے گئے ہیں ان کے ساتھ نبوّت کے انعام کا ذکر نہ کیا جاتا بلکہ جس طرح ایت کریمہ:-

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ

(حدید آیت ۲۰)

میں دوسرے نبیوں پر ایمان لانے کا نتیجہ زیادہ سے زیادہ صدیقیت بیان کیا گیا ہے۔ آیت کریمہ

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ؕ

(نساء آیت ۷۰)

میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا نتیجہ بھی صدیقیت تک ہی محدود رکھا جاتا۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا بلکہ آپؐ کی اطاعت کا نتیجہ صالحیت، شہیدیت اور صدیقیت کے علاوہ نبوّت بھی بیان کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا رتبہ دوسرے تمام انبیاء کی اطاعت کے رتبہ سے فائق ہے اور آپؐ کی اطاعت سے وہ انعام بھی حاصل ہو سکتا ہے جو دوسرے انبیاء کی اطاعت سے حاصل نہیں ہوتا تھا اور یہ ایسی

فضیلت ہے جس میں آپؐ منفرد ہیں کیونکہ آپ ہی نے زمرۂ انبیاء میں خاتم النبیّین کا لقب پایا ہے۔

بعض دیوبندی علماء سے گفتگو

عرصہ ہوا ایک دفعہ مسجد احمدیہ لاہور میں بعض دیوبندی علماء تشریف لائے اور آتے ہی کہنے لگے ہم آپ سے ختمِ نبوّت کے متعلق گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ مَیں نے عرض کیا بڑی خوشی سے۔ چنانچہ ان میں سے ایک صاحب بولے کہ قرآنِ کریم سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آسکتا۔ کیونکہ آپؐ خاتم النبیّین ہیں اور آپؐ نے سب نبیوں کو ختم کر دیا ہے، مَیں نے عرض کیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت خاتم النبیّین کن نبیوں کو ختم کیا ہے؟ آیا پہلوں کو یا پچھلوں کو؟ اگر پہلوں کو ختم کیا ہے تو یہ آپ لوگوں کے اعتقاد کے خلاف ہے کیونکہ آپ حضرات مسیح اسرائیلی کی نسبت اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ ابھی تک زندہ ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اگر پہلے نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ مسیح اسرائیلی ختم نہیں ہوئے؟ اور اگر پچھلوں کو ختم کرنے والے ہیں تو بھی بات نہیں بنتی۔ کیونکہ آپ لوگوں کا اعتقاد ہے کہ مسیح اسرائیلی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد دوبارہ آخری زمانہ میں بھی آئیں گے۔ پس دونوں صورتوں میں خاتم النبیّین کے متعلق آپ لوگوں کا نظریہ درست

ثابت نہیں ہوتا کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت نہ پہلے نبیوں کو ختم کرتی ہے اور نہ ہی پچھلے نبیوں کو۔ اور مسیح اسرائیلی پہلوں میں بھی داخل ہیں۔ اور پچھلوں میں بھی۔ اب خود ہی بتائیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت خاتم النبیین اگر سب نبیوں کو ختم کر دیا ہے تو یہ کس صورت میں ہے؟ اس پر مولوی صاحب جھنجلا کر بولے۔ کیا آپ لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے؟ میں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں۔ مانتے ہیں اور صمیم قلب سے مانتے ہیں لیکن آپ لوگوں کی طرح نہیں کہ جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا بالکل بے معنے ہو کر رہ جاتا ہے ہم تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین ان معنوں میں مانتے ہیں کہ آپ سے پہلے زمانہ کا ہر نبی ایک پھول کی طرح تھا اور آپ ان پھولوں کے گلدستہ کی شکل میں ظاہر ہوئے ہیں اور آپ نہ صرف جامعِ کمالاتِ انبیاء ہیں بلکہ خاتمِ کمالاتِ انبیاء بھی ہیں۔ جیسا کہ مولٰنا روم فرماتے ہیں ؎

بہرِ ایں خاتم شد است اُو کہ بجُود
مثلِ اُو نَے بود نَے خواہند بُود

(مثنوی دفتر ششم)

یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس وجہ سے خاتم النبیین ہیں کہ فیض رسانی میں آپ کی شان کا رسول نہ تو کوئی

پہلے ہوا ہے اور نہ آئندہ ہوگا۔

اس پر مولوی صاحب فرمانے لگے پھر تو آپ لوگ ختم نبوّت کے منکر ہوئے کیونکہ آپ نبوّت کو بند نہیں سمجھتے۔ مَیں نے جواباً عرض کیا کہ نبوّت تو نہ کبھی بند ہوئی ہے اور نہ کبھی بند ہوگی اور نہ کبھی دنیا نبوّت سے خالی رہ سکتی ہے۔ ابتداء میں آدم علیہ السلام کی نبوّت کا ظہور ہوا اس کو ختم ہونا ہی تھا کہ نوح علیہ السلام کی نبوّت شروع ہوگئی اور پھر ابراہیم علیہ السلام کی اور پھر موسےٰ علیہ السلام کی اور پھر عیسےٰ علیہ السلام کی اور پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی۔ اور آپؐ کی نبوّت کے متعلق امّت مسلمہ کا اعتقاد ہے کہ وہ قیامت تک کے لئے ہے پس اگر قیامت تک کے لوگوں کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی نبی ہیں اور آپؐ کی تشریعی نبوّت ان سب کے لئے کفایت کرنے والی ہے تو وہ قیامت سے پہلے ختم نہیں ہوسکتی۔ اب آپ ہی بتائیں کہ نبوّت ختم ہوئی تو کیونکر؟

یہ سنتے ہی مولوی صاحبان کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے اگر بال کی کھال اتارنا آتی ہے تو احمدیوں کو۔ اور وہاں سے تشریف لے گئے۔

کیا خاتم النبیّین محلِ مدح پر ہے؟

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض علماء نے آج کل ختمِ نبوّت کو ہی وجہ نزاع بنا رکھا ہے لیکن اس مسئلہ میں بھی کئی پہلوؤں پر ہمارا اور ان کا اتفاق ہے۔ مثلاً وہ یہ مانتے ہیں۔ کہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپؐ کی شریعت کو منسوخ کرے اور ہم بھی یہی مانتے ہیں۔ پھر وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو نئی شریعت لانے کا دعویدار ہو۔ اور ہم بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ پھر وہ اس بات کے قائل ہیں کہ آنیوالا مسیح موعود شریعتِ محمدیہ کا تابع ہوگا نہ کہ شریعت محمدیہ کا ناسخ۔ اور ہم بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ پھر وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنیوالا مسیح موعود نبی اللہ ہوگا اور ہمارا بھی یہی اعتقاد ہے۔ ہاں فرق ہے تو یہ کہ ہمارے مخالف علماء مسیح موعود سے مراد مسیح اسرائیلی لیتے ہیں اور ہم مسیح موعود سے مراد مسیح محمدی لیتے ہیں۔ لیکن چونکہ قرآن۔ حدیث اور تاریخ سے یہ امر بالبداہت ثابت ہے کہ مسیح اسرائیلی وفات پا چکے ہیں اور فوت شدہ نبی دوبارہ دنیا میں نہیں آسکتا اس لئے لامحالہ یہی ماننا پڑے گا کہ آنے والا مسیح موعود اسی امت میں سے پیدا ہوگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے ہی منصبِ نبوت پائے گا۔

الغرض یہ علماء اگر خاتم النبیین کا مفہوم نبوتِ مطلقہ کی نفی کی صورت میں لیں تو اپنے عقیدہ کو خود باطل کرنے والے ٹھہرینگے کیونکہ اگر یہ مان لیا جائے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آسکتا تو اس سے ایک طرف ان کا یہ عقیدہ

باطل ٹھہرتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد مسیح موعود آئے گا جسے صحیح مسلم میں نبی اللہ قرار دیا گیا ہے اور دوسری طرف یہ اعتراض بھی وارد ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا سچے نبیوں کو تو امت میں آنے سے روکتا ہے لیکن جھوٹے نبیوں کو نہیں روکتا۔ کیونکہ حدیث[1] میں آپؐ کے بعد تیس جھوٹے نبیوں کا آنا بھی مروی ہے جو امتِ مسلمہ کے علاوہ دوسری اُمتوں کو بھی گمراہ کریں گے۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ کیا اس اعتقاد سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا محلِ مدح پر ثابت ہوتا ہے یا محلِّ ذم پر؟

---

[1] اِنَّہٗ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلَاثُوْنَ کَذَّابُوْنَ کُلُّھُمْ یَزْعَمُ اَنَّہٗ نَبِیٌّ۔ (صحیح بخاری)
یقیناً عنقریب میری امت میں تیس کذّاب ہوں گے۔ ہر ایک ان میں سے نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا۔

ختمِ نبوّت اور احادیثِ نبویہ

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حدیث کی کتابوں میں لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے الفاظ بھی آئے ہیں لیکن ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کسی قسم کا نبی نہیں آئے گا۔ بلکہ ان سے یہ مراد ہے کہ آپ کے بعد شریعت والا نبی کوئی نہیں آئے گا یا ایسا نبی نہیں آئے گا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے۔ بہرکیف اس حدیث سے ہر قسم کی نبوّت کا انقطاع ثابت نہیں ورنہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آنے والے مسیح کو نبی اللہ قرار نہ دیتے (صحیح مسلم) اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا یہ نہ فرماتیں:۔

> اے لوگو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیّین تو کہا کرو لیکن یہ کبھی نہ کہنا کہ آپ کے بعد کسی قسم کا نبی نہ ہوگا۔ (تکملہ مجمع البحار صفحہ ۸۵)

یاد رہے کہ حضرت عائشہؓ کا یہ قول

> قُوْلُوْا اِنَّهٗ خَاتَمَ الْاَنْبِيَاءِ وَ لَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَهٗ۔ (تکملہ مجمع البحار صفحہ ۸۵)

ختمِ نبوّت کے سلسلہ میں ایک فیصلہ کن قول ہے اور اس سے دو باتیں

بالکل واضح ہو جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ خاتم النبیین کے الفاظ کو لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ کے معنوں میں سمجھنا درست نہیں۔ اور دوسرے یہ کہ حضرت عائشہؓ کے نزدیک لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کا فقرہ نبی کی جنس کی نفی کے لئے نہیں بلکہ نبی کی جنس سے بعض نوع کی نفی کے لئے ہے یعنی تشریعی نبی اور مستقل نبی کے لئے۔ اور جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے نبی ہو کر آنے والا ہو اور آپ کا امتی ہو اس کے آنے میں یہ فقرہ مانع نہیں اور نہ ہی اس قسم کا نبی لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے حکم کے نیچے ہے۔ اور اگر اس نفی سے مطلق نفی مراد ہوتی تو حضرت عائشہؓ ہرگز یہ نہ فرماتیں :۔

لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ مت کہو۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے فرزند ابراہیم کی وفات پر قطعاً یہ ارشاد نہ فرماتے کہ

لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِیْمُ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا۔

(ابن ماجہ جلد ۱ صـــ۲۳۷ مطبوعہ مصر)

یعنی اگر میرا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا تو ضرور نبی ہوتا۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ سے مراد ہر قسم کی نفی نہیں کیونکہ آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر میرا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا تو بھی نبی نہ ہوتا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اگر وہ زندہ رہتا تو ضرور نبی ہوتا جس سے صاف ظاہر ہے کہ ابراہیم کے نبی ہونے میں حدیث

لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ اور آیت خاتم النبیین روک نہ تھی بلکہ اسکی وفات روک تھی۔

علاوہ ازیں اس سلسلہ میں آنے والے مسیح کے متعلق یہ حدیث

لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ نَبِیٌّ (بخاری۔ ابوداؤد۔ طبرانی)

بھی خاص اہمیت کی حامل ہے اور اس سے تین باتیں بالکل واضح ہوجاتی ہیں۔

اوّل۔ یہ کہ آنے والا مسیح بہرحال نبی ہوگا۔

دوم۔ یہ کہ حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ میں جو نبی کی نفی کی گئی ہے اس کا تعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود کے درمیانی زمانہ سے ہے۔

سوم۔ اس سے حدیث اِنَّہٗ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلَاثُوْنَ کَذَّابُوْنَ (بخاری)

کا زمانہ بھی متعیّن ہوجاتا ہے کہ یہ تیس کذّاب دراصل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اور مسیح موعود سے پہلے پیدا ہونیوالے تھے۔ اور انہوں نے اس درمیانی زمانہ میں نبوّت کا دعویٰ کرنا تھا۔ گویا حدیث لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ نَبِیٌّ کا دوسرے الفاظ میں یہ مطلب ہوا کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود کے درمیانی زمانہ میں نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا تو وہ سچا نبی نہ ہوگا بلکہ حدیث ثَلَاثُوْنَ کَذَّابُوْنَ کی رُو سے کذّاب ہوگا۔ چنانچہ تیس کی حدبندی بھی صاف بتا رہی ہے۔ کہ

لہ یعنی میرے اور آنیوالے مسیح کے درمیان کوئی نبی نہیں

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد سب مدعیانِ نبوّت کذّاب نہیں ہوں گے۔ بلکہ بعض صادق بھی ہوں گے اور اگر سب کے سب کذّاب ہونے تھے تو آپؐ یہ فرماتے کہ میری امّت میں جو بھی مدعیٔ نبوت کھڑا ہوگا وہ کذّاب ہوگا۔

اسی طرح ختمِ نبوّت کے سلسلہ میں ایک حدیث :-
لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ (بخاری ص۱۰۳۵)[1]
بھی پیش کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس سے ثابت ہے کہ آئندہ کسی قسم کا نبی نہیں آسکتا۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ ایک جامع حدیث ہے اور ماضی۔ حال۔ اور مستقبل تینوں زمانوں سے تعلق رکھتی ہے چنانچہ لَمْ یَبْقَ جو ماضی کا صیغہ ہے اگر اس کو سابقہ نبوّتوں کے متعلق سمجھا جائے اور اَلنُّبُوَّۃُ کا الف ولام سابقہ نبوّت کے لئے استغراق کا فائدہ دینے والا قرار دیا جائے تو اس صورت میں حدیث کا یہ مطلب ہوگا کہ تمام سابقہ شرائع محرّف ومبدّل ہوجانے کی وجہ سے منسوخ ہوگئی ہیں اور انکا دور ختم ہوگیا ہے سوائے مبشرات کے حصّہ کے کہ جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود کے بارے میں پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں۔

اور اگر اس حدیث کو زمانۂ حال سے متعلق سمجھا جائے اور النبوّۃ سے مراد صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوّت لی جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میری نبوّت کا وہ حصّہ جو احکام

---

[1] یعنی انواعِ نبوّت میں سے صرف مبشرات کی نوع باقی ہے۔

شریعت کی تعلیم سے تعلق رکھتا ہے بند کیا گیا ہے لیکن میری نبوت کا وہ حصہ جو مبشرات پر مشتمل ہے اور جس کا دامن قیامت تک وسیع ہے اس کا ظہور ابھی باقی ہے۔

اور اگر یہ حدیث زمانہ مستقبل کے متعلق سمجھی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ شریعت مکمل ہو جانے کی وجہ سے آئندہ ایسی وحی تو نہیں آسکتی جو احکام شریعت پر مشتمل ہو۔ البتہ ایسی وحی آسکتی ہے جو بشارات پر مشتمل ہو یعنی دین کے مکمل ہو جانے سے آئندہ کے لئے تشریعی اور مستقلہ نبوت کا دروازہ تو بند ہو چکا ہے لیکن غیر تشریعی اور غیر مستقلہ نبوت[1] کا دروازہ کھلا ہے تاکہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام کا ظہور ہوتا رہے اور آنحضرت کی قوتِ قدسیہ کا ثبوت ملتا رہے۔ اور

---

[1] امکانِ نبوت کے سلسلہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ:-

اَبُوْ بَکْرٍ اَفْضَلُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیٌّ۔ (کنوز الحقائق ص۲ بحوالہ دیلمی)

یعنی ابوبکر میرے بعد سب لوگوں سے افضل ہیں سوائے اس کے کہ کوئی نبی ہو اس صورت میں وہ نبی افضل ہوگا۔ (نیز الجامع الصغیر ص۵ بحوالہ طبرانی، کنز العمال جلد ۶ ص۱۳۷ و تاریخ الخلفاء للسیوطی ص۳۵)

رُوحانی ارتقاء کا سلسلہ منقطع نہ ہونے پائے۔ بہرکیف اس حدیث سے مطلق نبوّت کا انقطاع ثابت نہیں ہوتا کیونکہ قرآن مجید میں مبشرات کی کثرت کو ہی نبوّت کا نام دیا گیا ہے (دیکھئے سورہ جن آیت ستائیس اور اٹھائیس) اور مبشرات کا دروازہ یہ حدیث بھی کھلا قرار دیتی ہے۔

اسی طرح انقطاعِ نبوّت کے سلسلہ میں حدیث "اَنَا اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ" بھی پیش کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا چنانچہ ایک دفعہ بعض علماء نے مجھے بھی کہا کہ جب حدیث :-

"اَنَا اٰخِرُ الْاَنْبِیَآءِ وَمَسْجِدِیْ ھٰذَا اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ"[1] (صحیح مسلم)

سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں تو پھر آپ لوگ کیوں امکانِ نبوّت کے قائل ہیں؟ مَیں نے جواباً عرض کیا کہ آخری کا مفہوم ساتھ کے جملہ وَمَسْجِدِیْ ھٰذَا اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ سے واضح ہے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ جب آنحضرتؐ کی مسجد کے بعد اس وقت تک لاکھوں مسجدیں بن چکی ہیں اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے تو آپؐ کی مسجد آخری کیونکر ہوئی؟ فرمانے لگے کہ آنحضرت کی مسجد کے بعد جتنی مسجدیں بنی ہیں وہ چونکہ آنحضرت کی مسجد کی ہی تابع اور ظلّ ہیں اور اسی کے اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لئے

---

[1] یعنی مَیں آخری نبی ہوں اور میری یہ مسجد آخری مسجد ہے۔

بنائی گئی ہیں اس لئے وہ آنحضرت کی مسجد کے آخری ہونے میں مزاحم نہیں ہوسکتیں۔ مَیں نے عرض کیا کہ اسی طرح اور بالکل اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والے نبی جو آپؐ کے تابع اور ظلّ ہوں گے اور آپ کے اغراض ومقاصد کی تکمیل کیلئے ہی آئیں گے وہ آپ کے آخری نبی ہونے میں مزاحم نہیں ہوسکتے۔

الغرض جس طرح آخری مسجد کے یہ معنے نہیں کہ آئندہ دنیا میں کوئی اور مسجد بنے گی ہی نہیں۔ بلکہ یہ معنے ہیں کہ میری مسجد کے مقابل پر کوئی مسجد نہیں بنے گی۔ اگر بنے گی تو میری مسجد کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ہی بنے گی اور اس کی تابع اور ظلّ ہوگی۔ اسی طرح آخری نبی کے بھی یہ معنے نہیں۔ کہ آئندہ دنیا میں کوئی نبی آئیگا ہی نہیں بلکہ یہ معنے ہیں کہ اب میرے مقابل پر کوئی نبی نہیں آئے گا اگر آئیگا تو میرے دین کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ہی آئے گا۔ اور میرا تابع و ظلّ ہوگا۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ محاورہ میں آخری کے معنے ایسے شخص کے بھی ہیں جو کسی فن یا کسی وصف میں انتہائی کمال پر پہنچ چکا ہو۔ عربی نظم ونثر میں اس کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ ایک شاعر اپنے ممدوح کی شان میں کہتا ہے ؎

شَرٰی وُدِّیْ وَشُکْرِیْ مِنْ بَعِیْدٍ
لِاٰخِرِ غَالِبٍ اَبَدًا رَبِیْعٌ
(حماسہ باب الادب)

ترجمہ:۔ "ربیع ابنِ زیاد نے میری دوستی اور شکر دُور
بیٹھے ایسے شخص کے لئے جو بنی غالب میں آخری یعنی
ہمیشہ کے لئے عدیم المثل ہے خرید لیا ہے"

یاد رہے کہ یہ ترجمہ مولٰنا ذوالفقار علی صاحب دیوبندی شارح حماسہ کے قلم سے ہے۔ اور مولٰنا موصوف نے یہاں آخری کے معنے عدیم المثل کے ہی کئے ہیں اور اس میں کیا شک ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کمالاتِ نبوّت میں عدیم المثل ہی ہیں۔

اسی طرح اُردو زبان میں بھی یہ محاورہ استعمال ہوتا ہے چنانچہ علّامہ اقبال اپنے اُستاد داغ دہلوی کے مرثیہ میں کہتے ہیں ؎

چل بسا داغ آہ میّت اس کی زیبِ دوش ہے
آخری شاعر جہاں آباد کا خاموش ہے (بانگِ درا)

ظاہر ہے کہ یہاں آخری شاعر کے الفاظ زمانی لحاظ سے استعمال نہیں کئے گئے کیونکہ داغ کی وفات کے وقت بھی دہلی کے متعدد شعراء زندہ تھے۔ اور ان کی وفات کے بعد بھی دہلی میں کئی شاعر پیدا ہو چکے ہیں۔ بلکہ رتبی لحاظ سے استعمال کئے گئے ہیں اور ان کا مطلب یہ ہے کہ دہلی کی ٹکسالی زبان میں شعر کہنے والا چوٹی کا شاعر فوت ہو گیا ہے۔ پس ان معنوں کی رُو سے حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کمالاتِ رُوحانی کے لحاظ سے تمام انبیاء میں چوٹی کے نبی ہیں اور آپ کی مسجد برکاتِ سماوی کے لحاظ

سے تمام مساجد میں چوٹی کی مسجد ہے۔

کیا حدیثوں میں تضاد ہے؟

یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا حدیثوں میں تضاد ہے؟

سو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک بعض روایات سے بادی النظر میں نبوت کا انقطاع ثابت ہوتا ہے اور بعض سے نبوت کا امکان لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ حدیثوں میں کوئی حقیقی تضاد نہیں وجہ یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جہاں یہ فرمایا ہے کہ میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔ وہاں آپ کی مراد یہ ہے کہ میں تشریعی نبیوں میں سے آخری نبی ہوں اور میرے بعد شریعت لانے والا نبی کوئی نہیں ہو گا اور جہاں آپؐ نے یہ فرمایا ہے کہ میرے بعد نبی آسکتا ہے اور آنے والا مسیح موعود نبی اللہ ہو گا۔ وہاں آپؐ کا یہ مطلب ہے کہ بغیر شریعت کے نبی آسکتا ہے لیکن وہی جس کے اعمال پر میری اتباع کی مُہر ہو اور جس نے میرے نور سے نور لیا ہو اور جو میری امت میں سے ہو۔

اندریں صورت ہم کہہ سکتے ہیں کہ احادیثِ نبویہ میں کوئی حقیقی تضاد نہیں ہے۔

ختمِ نبوّت اور قرآنِ کریم

قرآنِ کریم میں آتا ہے :-

۱- خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ وَعَلٰی سَمْعِہِمْ
(بقرہ آیت ۸)

۲- اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاہِہِمْ وَتُکَلِّمُنَا اَیْدِیْہِمْ - (یٰسٓ آیت ۶۶)

۳- خِتَامُہٗ مِسْکٌ - (مطففین)

مندرجہ بالا آیات سے ختم کے مشتقات پیش کر کے بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ ان آیات میں خَتَمَ اور نَخْتِمُ اور خِتَامُہٗ کے الفاظ چونکہ مُہر کے معنوں میں آئے ہیں اور مُہر سے غرض کسی چیز کا بند کرنا ہوتی ہے لہٰذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیّین یعنی نبیوں کی مُہر ہونا نبیوں کے بند کرنے کے معنوں میں ہے۔
سو اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ آیت خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ وَعَلٰی سَمْعِہِمْ (بقرہ آیت ۸) میں جن لوگوں کا ذکر ہے اور جن کے دلوں اور کانوں پر مُہر لگائی گئی وہ تو کافر تھے اور اگر مُہر کا کام کسی چیز کو بند کرنا ہی ہے تو چاہیئے تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کافر ختم ہو جاتے

اور اس کے بعد کفر کا ظہور رُک جاتا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ باوجود مُہر لگائے جانے کے کافروں کا سلسلہ برابر جاری ہے اور نمرود اور فرعون کے مثیل آئے دن پیدا ہوتے رہتے ہیں لیکن اس کے بالمقابل محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی مُہر کے نتیجہ میں نہ ابراہیم علیہ السلام کا مثیل پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی موسیٰ علیہ السلام کا۔ آخر مُہر کی تاثیر میں یہ اختلاف کیوں؟

دوسرے اگر خَتَم کے معنے کلّی طور پر بند کرنا ہی ہیں تو پھر اس کا نتیجہ کم سے کم یہ تو ہونا چاہیئے تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کافر نہ کوئی بات سن سکتے اور نہ ہی کوئی بات ان کے دل کے اندر داخل ہو سکتی۔ لیکن اس امر کی تصدیق واقعات نہیں کرتے کیونکہ وہ باتیں سنتے بھی تھے اور باتیں ان کے دل کے اندر داخل بھی ہوتی تھیں۔ پس خَتَم کے معنے کلّی طور پر بند کرنا نہیں ہو سکتے بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالےٰ نے کافروں کے دلوں پر مُہرِ تصدیق ثبت کر دی کہ واقعی ان کے دلوں میں کفر بھرا ہوا ہے اور ایسے ہٹ دھرم ہیں کہ صداقت کُھل جانے کے باوجود وہ خدا اور اس کے رسُول پر ایمان نہیں لائیں گے۔ کیونکہ مُہر کا کام تصدیق ہی ہے۔

ایک مولوی صاحب سے گفتگو

عرصہ ہوا کہ ایک مولوی صاحب نے میرے ساتھ ختم نبوّت کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

بحیثیت خاتم النبیین چونکہ نبیوں کی مُہر ہیں اور مُہر کا کام کسی چیز کو بند کرنا ہوتا ہے اس لئے آپ کے خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے نبی بند ہو گئے ہیں جیسا کہ آیت اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَآ اَیْدِیْهِمْ میں بھی تصریح ہے کہ قیامت کے دن مجرموں کے مُنہ پر مُہر لگنے سے ان کے مُنہ بند ہو جائیں گے اور وہ کلام نہیں کر سکیں گے۔

مَیں نے جواباً عرض کیا کہ مُنہ بند کرنے کی مُہر مجرموں کیلئے ہوگی غیر مجرموں کے لئے تو نہ ہوگی؟ فرمانے لگے ہاں مجرموں کیلئے ہوگی مَیں نے عرض کیا کہ مجرموں کا بھی اس مُہر سے مُنہ ہی بند ہُوا کلام تو بند نہ ہُوا کیونکہ ساتھ ہی تصریح ہے کہ وَ تُكَلِّمُنَآ اَیْدِیْهِمْ یعنی مُنہ کی جگہ ان کے ہاتھ باتیں کریں گے۔ پس کلام تو پھر بھی بند نہ ہُوا۔ ہاں اس کا ایک آلہ بند کر کے دوسری چیز کو آلہ بنا دیا گیا۔ سو ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ مطلق نبوّت بند نہیں ہوئی بلکہ مستقل نبوّت بند ہوئی ہے اور مستقل نبوّت کا دروازہ بند کر کے اس کی جگہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے ملنے والی تابع نبوّت کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔ ہاں مجرموں کے لئے ان کی کج فہمی کی وجہ سے بند ہو تو ہو۔

اس پر مولوی صاحب کہنے لگے کہ قرآن کریم میں خِتَامُهٗ مِسْكٌ بھی آیا ہے کہ جنتی لوگوں کو جو شراب پلائی جائے گی

اس پر مُشک کی مُہر ہو گی۔ گو یا اس مُہر سے شراب کے برتنوں کا مُنہ بند ہو گا۔ مَیں نے عرض کیا کہ اگر اس مُہر کا مقصد برتن کا مُنہ بند رکھنا ہی ہے تو جنّتی لوگ شراب پئیں گے کس طرح؟ اور اگر پئیں گے تو ضرور ہے کہ مُہر ٹوٹے اور برتن کا مُنہ کھلے۔ پس معلوم ہوا کہ مُہر کی غرض یہاں دائمی طور پر مُنہ بند رکھنا نہیں بلکہ وہ شراب کی حفاظت اور اس کی نوعیت کے لحاظ سے بطور نشان کے ہے۔

اس پر مولوی صاحب فرمانے لگے۔ خواہ کچھ بھی ہو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آسکتا۔ اور یہی خاتم النبیّن کے اصل معنے ہیں۔ اور پھر قرآن کریم میں آپ کو سراج منیر بھی کہا گیا ہے۔ پس سورج کے ہوتے ہوئے کسی چاند کی کیا ضرورت ہے؟

مَیں نے جواباً عرض کیا کہ اگر خاتم النبیّن کے یہ معنے ہیں کہ آپؐ کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آسکتا تو پھر آپ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے کیوں منتظر ہیں؟ اگر عیسےٰ علیہ السلام آگئے تو کیا ختمِ نبوّت باطل نہ ہو گی؟ کیونکہ نبی نبوّت سے تو معزول نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ اہل اسلام کا مسلّمہ عقیدہ ہے ؎

وَ اِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَفِیْ اَمَانٍ[1]
مِنَ الْعِصْیَانِ عَمَدًا وَّ انْعِزَالٍ (بدء الامالی)

---

[1] یعنی انبیاء نہ گناہ کے مرتکب ہو سکتے ہیں اور نہ ہی نبوت سے معزول ہو سکتے ہیں۔

پس جب عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے تو بحیثیت نبی ہی آئیں گے۔
اور یہ کہنا کہ وہ نبی تو ہوں گے مگر کام نبوت کا نہیں کرینگے اور بھی مضحکہ خیز بات ہے کہ اللہ تعالےٰ ایک نبی تو بھیجے مگر اس سے نبوت کا کام نہ لے! کیا یہ امر ایک علیم و حکیم ہستی کی شان کے شایاں ہے کہ وہ ایسے کام کے لئے ایک جلیل القدر نبی کو مبعوث کرے جو منصب نبوت سے تعلق نہیں رکھتا؟ اور کیا اس سے عیسیٰ علیہ السلام کی عزت اور خدا کی حکمت پر حرف نہیں آتا؟
باقی رہا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سراج منیر ہونا تو اس کے متعلق عرض ہے کہ اگر آپؐ کے بعد عالم اسلام پر رات کی تاریکی نہیں چھا سکتی تو بے شک کسی چاند کی ضرورت نہیں لیکن جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے:۔

یَأْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُہٗ وَ لَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُہٗ مَسَاجِدُھُمْ عَامِرَۃٌ وَّھِیَ خَرَابٌ مِّنَ الْھُدٰی عُلَمَآؤُھُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ اَدِیْمِ السَّمَآءِ۔ (مشکوٰۃ کتاب العلم صـ۳۸)

یعنی میری امت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ نام کے سوا اسلام کا کچھ باقی نہیں رہے گا۔ اور الفاظ کے سوا قرآن کا کچھ باقی نہیں رہے گا۔ اس زمانہ کے لوگوں کی مسجدیں

بظاہر تو آباد نظر آئیں گی مگر ہدایت سے خالی ہوں گی۔
ان کے علماء آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہونگے۔

تو اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں چاند کے نمودار ہونے پر اعتراض کیسا؟ اگر سراجِ منیر کا وہی مطلب ہوتا جو آپ بیان کر رہے ہیں تو امّتِ مسلمہ اس طرح تنزّل کا شکار نہ ہوتی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم یہ پیشگوئی ہرگز نہ فرماتے کہ حمایتِ اسلام کے لئے ایک مسیح آئے گا جو نبی اللہ ہوگا (صحیح مسلم)۔ اور پھر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ علماء اور فقہاء جو محض چراغ کی حیثیت رکھتے ہیں یا خلفائے راشدین اور مجدّدین اور محدّثین کی سورج کی موجودگی میں کیا ضرورت ہے؟ آخر دن کی روشنی میں تو چراغ روشن نہیں کئے جاتے! لیکن عجیب بات ہے کہ سورج کے ہوتے ہوئے ان چراغوں کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے اور ان سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

پس سراجِ منیر کا وہ مطلب نہیں جو آپ لوگ سمجھ رہے ہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہمیشہ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہینگے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے نور لے کر باطل کی ظلمت کو دور کریں گے جیسے چاند سورج سے روشنی لے کر دنیا کے اندھیرے کو دور کرتا ہے ؎

وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ شَمْسٌ مُنِیْرَۃٌ
وَبَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ بَدْرٌ وَّکَوْکَبٌ

اس پر مولوی صاحب کہنے لگے کہ اگر آپ لوگ اسلام کو کامل دین مانتے تو آپ امکانِ نبوّت کے ہرگز قائل نہ ہوتے۔ مَیں نے عرض کیا کہ مانتے ہیں اور صمیمِ قلب سے مانتے ہیں۔ فرمانے لگے۔ کیا یہی دین قیامت تک نہیں رہے گا؟ مَیں نے عرض کیا کہ بے شک یہی دین قیامت تک رہے گا۔ کہنے لگے پھر نبی کے آنے کی کیا ضرورت ہے؟

مَیں نے جواباً عرض کیا کہ نبی نیا دین لے کر ہی نہیں آیا کرتے بلکہ گزشتہ دین کی اعانت اور لوگوں کی اصلاح کے لئے بھی مبعوث ہُوا کرتے ہیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد آنیوالے نبی کوئی نیا دین لے کر نہیں آئے تھے بلکہ موسوی دین کی اعانت اور بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے مبعُوث ہوئے تھے۔ اور حدیث میں بھی آتا ہے کہ دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی گذرے ہیں جن میں سے شریعت لانے والے رسول صرف تین سو پندرہ تھے۔

(مسند احمد بن حنبل۔ مشکوٰۃ۔ مرقاۃ جلد پنجم ص۳۵۲)

الغرض انبیاء میں زیادہ تعداد ایسے نبیوں کی ہی ہے جو کوئی نئی شریعت نہیں لائے بلکہ سابقہ شریعت کے ذریعہ سے ہی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیتے رہے ہیں۔ پس یہ خیال صحیح نہیں کہ دینِ اسلام چونکہ قیامت تک کے لئے ہے اس لئے کوئی نبی نہیں آسکتا۔

قرآن کریم سے صاف ثابت ہے کہ دین گو کامل اور محفوظ بھی ہو لیکن امت کے لوگ اگر محفوظ نہ ہوں اور باہمی اختلافات کی وجہ سے

فرقہ فرقہ ہو چکے ہوں تو اس صورت میں بھی نبی آیا کرتے ہیں جیسا کہ آیتِ کریمہ ہے :۔

لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۔

(بقرہ آیت ۲۱۴)

یعنی نبیوں کی بعثت کی یہ غرض بھی ہُوا کرتی ہے۔ کہ لوگوں کے مذہبی اختلافات کا فیصلہ کریں۔

چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی جہاں یہ نشاندہی کی ہے کہ باہمی اختلافات کی وجہ سے میری امت تہتّر فرقوں میں منقسم ہو جائیگی (مشکوٰۃ) وہاں آپؐ نے یہ پیشگوئی بھی فرمائی ہے کہ میری امت میں ایک مہدی اور مسیح آئیگا جو حَکَم اور عَدَل ہوگا اور امت کے مذہبی اختلافات کا فیصلہ کریگا۔ (مسند احمد بن حنبل)

پس ان تصریحات کے باوجود یہ اعتقاد رکھنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آسکتا ایک گمراہی کا اعتقاد ہے۔

یہ سُنکر مولوی صاحب چونک پڑے اور جھنجلا کر فرمایا کہ یہ کہاں لکھا ہے؟

مَیں نے عرض کیا کہ سورۃ مومن میں اور یہ آیت پڑھ کر سُنائی :۔

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِمَّا جَاءَكُمْ بِهِ ، حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا ، كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ

مُّرْتَابٌ ۚ (مومن آیت ۳۵)
یعنی یوسف اس سے قبل دلائل کے ساتھ تمہارے پاس
آچکا ہے مگر جو کچھ وہ تمہارے پاس لایا تھا اس کے متعلق
تم شک ہی میں رہے یہاں تک کہ جب وہ فوت ہوگیا تو تم
نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اللہ تعالےٰ اس کے بعد کوئی رسول
مبعوث نہیں کرے گا۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ ہر مُسرف اور
مرتاب کو گمراہ قرار دیتا ہے۔

دیکھئے یوسف علیہ السلام کے متعلق بھی لوگوں کا یہی اعتقاد تھا کہ اب ان کے بعد اللہ تعالےٰ کوئی رسول مبعوث نہیں کریگا لیکن قرآن کریم ایسا اعتقاد رکھنے والوں کو مسرف اور مرتاب قرار دیتا ہے۔ اور ان پر گمراہی کا فتویٰ لگاتا ہے جیسا کہ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ کے جملے سے ظاہر ہے۔ اس پر مولوی صاحب خاموش ہو گئے۔

خاتم کا مطلب

اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلۂ نبوّت کو منقطع مانتے ہیں انہوں نے مسیح موعود کی پیشگوئی سے صرفِ نظر کرکے تشریعی نبیوں کے ساتھ غیر تشریعی نبیوں کا انقطاع بھی ضم کر لیا ہے حالانکہ اگر خاتم کا معنے ختم کرنیوالا بھی تسلیم کر لیا جائے (اگرچہ یہ جائز نہیں کہ خَاتَمَ کو خَاتِمَ کہا جائے۔ درمنثور) تو پھر بھی اس کا مطلب

زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں جو آپؐ سے پہلے ہو گذرے ہیں اور وہ بھی ان معنوں میں کہ اب ان کی امتوں کو اُن کی پیروی سے کوئی فیض حاصل نہیں ہو گا اگر فیض حاصل ہو گا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے حاصل ہو گا کیونکہ آپ گذشتہ نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں نہ کہ اپنے آپ کو۔

عیسیٰ علیہ السّلام کی آمدِ ثانی

اور حدیث میں جو عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کا ذکر ہے۔ تو اس سے بھی یہ مراد ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فیض سے آپ ہی کی امت میں سے ایک عیسےٰ صفت انسان پیدا ہو گا اور انہیں حالات کے تحت پیدا ہو گا جن حالات کے تحت بنی اسرائیل میں عیسےٰ علیہ السّلام مبعوث ہوئے تھے۔ اور بخاری کی حدیث اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ میں بھی اسی امر کی تصریح ہے کہ امت کا وہ امام امت میں سے ہی پیدا ہو گا۔ اور اخبارِ نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر بھی یہی جواب دیا تھا کہ اس امت کا نبی اسی امت میں سے پیدا ہو گا چنانچہ حدیث میں آتا ہے:۔

قَالَ مُوْسٰی یَا رَبِّ اجْعَلْنِیْ نَبِیَّ تِلْکَ الْاُمَّۃِ قَالَ نَبِیُّھَا مِنْھَا۔ (الخصائص الکبریٰ للسیوطی صـ۱۲)

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی کہ مجھے امّتِ محمدیّہ کا نبی بنا دیجئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس امّت کا نبی اسی امّت میں سے ہوگا۔

اور پھر یہ عقیدہ اسلام کی شان کے شایاں بھی نہیں کہ یہود و نصاریٰ کے نقشِ قدم پر چلنے والے تو امّتِ محمدیّہ میں پیدا ہوں (مشکوٰۃ[1]) مگر ان کی اصلاح کرنے والا امّتِ اسرائیلیہ سے آئے۔ بہرکیف عیسٰی علیہ السلام کی آمدِ ثانی کی پیشگوئی اپنے اندر استعارات بھی رکھتی ہے اور اس کی بہرحال تاویل کرنا پڑے گی۔

کیا تاویل جائز ہے؟

مجھے یاد ہے کہ عیسٰی علیہ السلام کی آمدِ ثانی کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے ایک دفعہ ایک مولوی صاحب نے فرمایا تھا کہ بخاری میں صاف لکھا ہے۔

كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ۔ (بخاری کتاب الانبیاء جلد ۱ صفحہ ۴۹)

کہ عیسٰے علیہ السلام تم میں نازل ہوں گے

جب عیسٰے علیہ السلام کو آسمان سے نازل نہیں ہونا تھا تو نَزَلَ اور اِبْنُ مَرْيَمَ کے الفاظ حدیث میں کیوں وارد ہوئے ہیں؟ اگر احمدی حضرات تاویل سے کام نہ لیں تو بات بالکل صاف ہے۔ کہ عیسٰی علیہ السلام بجسدہٖ آسمان سے نازل ہوں گے

مَیں نے مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ کیا تاویل قرآن کریم کی

---

[1] اور ترمذی میں آتا ہے لَيَاْتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِيْ مَا اَتٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ ... (ترمذی کتاب الایمان صفحہ ۹۵ جلد ۲)

رُو سے ناجائز ہے؟ فرمانے لگے۔ ہاں ناجائز ہے۔ مَیں نے پوچھا کہ ہر صورت میں ناجائز ہے یا بعض صورتوں میں؟ فرمانے لگے۔ ہر صورت میں ناجائز ہے۔ مَیں نے عرض کیا تو پھر قرآن کریم میں یہ کیوں آیا ہے کہ جب برادران یوسف اور ان کے والدین نے یوسف علیہ السلام کی شان و شوکت کو دیکھکر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کیا تو یوسف علیہ السلام نے کہا:۔

يَآ اَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ (یوسف آیت ۱۰۱)

یعنی اے میرے باپ یہ میرے پہلے سے دیکھے ہوئے خواب کی تاویل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پورا کر دیا ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں یوسف علیہ السلام کا یہ قول بھی درج ہے:۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ (یوسف آیت ۱۰۲)

یعنی اے میرے رب تُو نے مجھے حکومت کا ایک حصہ بھی عطا فرمایا ہے اور خوابوں کی تاویل کا بھی کچھ علم تو نے مجھے بخشا ہے۔

تو جب قرآن کریم سے تاویل کا جواز ثابت ہے تو تاویل ناجائز کیسے ہوگئی؟

علاوہ ازیں مَیں نے مولوی صاحب سے یہ بھی دریافت کیا کہ کیا یہ درست ہے کہ حدیث کَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ وَ

اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ میں اَنْتُمْ - فِیْکُمْ - اِمَامُکُمْ اور مِنْکُمْ کے الفاظ میں چار دفعہ جمع مخاطب کی ضمیر استعمال کی گئی ہے؟ کہنے لگے۔ ہاں یہ درست ہے۔ مَیں نے پوچھا اس حدیث میں جن لوگوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اَنْتُمْ کے لفظ سے مخاطب فرمایا ہے وہ کون لوگ تھے؟ کہنے لگے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے۔ مَیں نے عرض کیا تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ ابنِ مریم تم میں نازل ہوں گے۔ ابنِ مریم ان میں نازل ہوئے؟ اگر نہیں ہوئے تو کیا اللہ تعالےٰ نے ابن مریم کے نزول تک ان صحابہ کو زندہ رکھنے کا کوئی اہتمام فرمایا؟ اگر نہیں فرمایا بلکہ تمام صحابہ مدّت سے فوت ہو چکے ہیں تو کیا اس سے حدیث کی صحت پر حرف نہیں آتا؟ کیونکہ یہ تو آپ بھی مانتے ہیں کہ صحابہ کی زندگیوں میں ابنِ مریم کا نزول نہیں ہؤا۔

اس پر مولوی صاحب کہنے لگے حدیث بالکل صحیح ہے۔ لیکن صحابہ کرام کی جگہ یہاں وہ مسلمان مراد ہیں جن میں عیسٰی علیہ السلام کا نزول ہوگا۔ مَیں نے عرض کیا کہ صحابہ کرام کی جگہ بعد کے زمانہ کے مسلمان مراد لینا تو تاویل ہے اور تاویل آپ کے نزدیک ناجائز ہے لیکن پھر بھی آپ نے اس حدیث میں جو ضمیر چار دفعہ صحابہ کرام کی طرف راجع ہے اس کی تاویل کی ہے اور اس سے مراد آئندہ زمانہ

کے مسلمان لئے ہیں اور اس تاویل کو آپ اس لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ صحابہ کی وفات کی وجہ سے ان الفاظ کو ظاہر پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ تو اگر احمدی ابنِ مریم کے لفظ کی تاویل کریں اور اس سے امتِ محمدیہ کا ایک فرد مراد لیں تو اس پر اعتراض کیسا؟ جبکہ عیسٰے علیہ السلام کی وفات قرآن۔ حدیث اور تاریخ سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ اگر آپ صحابہ کرام کی وفات کی وجہ سے حدیث میں چار جگہوں پر تاویل کر سکتے ہیں تو کیا احمدی عیسٰے علیہ السلام کی وفات کی وجہ سے ایک جگہ ابنِ مریم کے لفظ کی تاویل نہیں کر سکتے؟

اس پر مولوی صاحب فرمانے لگے کہ ابنِ مریم تو کنیت ہے اور کنیت قابلِ تاویل نہیں ہوتی۔ مَیں نے عرض کیا کہ قرآن کریم میں جو اِبْنُ اللّٰہِ۔ اَبْنَآءَ اللّٰہِ اور اِبْنُ السَّبِیْلِ وغیرہ کے الفاظ بطور کنیت وارد ہوئے ہیں کیا ان کی تاویل نہیں کی جاتی؟ اور کیا صحیح بخاری میں ابوسفیان اور قیصرِ روم کا جو مکالمہ منقول ہے اس میں ابوسفیان نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق اِبْنِ اَبِیْ کَبْشَہ کے الفاظ استعمال نہیں کئے۔ اور کیا اِبْنِ اَبِیْ کَبْشَہ اور ابی کبشہ دونوں کنیتیں قابلِ تاویل نہیں؟ پس یہ دعوٰی بے دلیل ہے کہ کنیت قابلِ تاویل نہیں ہوتی۔ اردو کا مشہور شاعر مرزا غالب کہتا ہے ؎

ابنِ مریم ہُوا کرے کوئی
میرے دُکھ کی دَوا کرے کوئی (دیوانِ غالب)

باقی رہا نزول کا لفظ تو اس کے مصداق مسیح اسرائیلی نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ فوت ہو چکے ہیں۔ اور فوت شدہ آدمی کے متعلق قرآن کریم کا دو ٹوک فیصلہ ہے کہ وہ دوبارہ دنیا میں نہیں آسکتا۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہ لفظ اس مسیح موعود کے لئے ہی بطور اکرام وارد ہُوا ہے جس کو امتِ محمدیہ میں پیدا ہونا ہے اور جو امتی نبی کہلائیگا۔

امتی نبی کی اصطلاح

یاد رہے کہ امتی نبی ایک نئی اصطلاح ہے جو خاتم النبیین کی نئی اصطلاح سے معرضِ ظہور میں آئی ہے اور یہ اصطلاح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور امتِ مسلمہ کے لئے باعثِ عزت ہے نہ کہ باعث منقصت۔ کیونکہ امتی نبی سے مراد ایسا نبی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے آپؐ کی امت میں سے آئے نہ کہ کسی دوسرے نبی کی امت میں سے اور آپ کے دین کی تجدید کے لئے مبعوث ہو نہ کہ کسی دوسرے نبی کے دین کی تجدید کے لئے۔ پس جس طرح خاتم النبیین کی خصوصیت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی کو حاصل نہیں اسی طرح امتی نبی کی خصوصیت بھی امتِ محمدیہ کے سوا اور کسی امت کو حاصل نہیں اور ان دونوں خصوصیتوں سے دراصل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کمالِ خصوصی دکھانا

مقصود تھا اور یہی وہ کمالِ خصوصی ہے جس کی بناء پر آپؐ نے فرمایا۔

لَوْ کَانَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی حَیَّیْنِ لَمَا وَسِعَھُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ۔ (الیواقیت والجواہر مرتبہ امام شعرانی جلد ۲ صفحہ ۲)

یعنی اگر موسےٰ اور عیسےٰ بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔

اور سرورِ کائنات فخرِ موجودات محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے اسی کمالِ خصوصی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"اگر مَیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمّت سے نہ ہوتا اور آپؐ کی پیروی نہ کرتا تو اگر تمام پہاڑوں کے برابر میرے اعمال ہوتے تو پھر بھی مَیں کبھی شرفِ مکالمہ مخاطبہ ہرگز نہ پاتا۔ کیونکہ اب بجز محمدی نبوّت کے سب نبوّتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہوسکتا ہے مگر وہی جو پہلے اُمّتی ہو۔"

(تجلیاتِ الٰہیہ صفحہ ۲۴-۲۵)

آیت خاتم النبیین کی تشریح

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کسی قدر آیت خاتم النبیین کی تشریح کردی جائے کیونکہ اسی آیت کا صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض لوگ نبوت کے دروازہ کو بند قرار دیتے ہیں۔

شانِ نزول یاد رکھنا چاہیئے کہ عرب میں لے پالک کے وہی حقوق سمجھے جاتے تھے جو حقیقی بیٹے کے مسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قبیح رسم کے استیصال کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو وحی کی اور آپؐ نے اس وحی کی بناء پر زید بن حارثہ کی مطلقہ سے جو لوگوں میں آپؐ کا متبنّٰی مشہور تھا نکاح کرلیا۔ جس میں علاوہ حضرت زینب کی دلجوئی کے یہ مصلحت بھی کارفرما تھی کہ متبنّٰی کی مطلقہ سے نکاح کی حلت رسول کے فعل سے ثابت ہوجائے۔ اس پر مخالفین نے اعتراض کئے جن کے جواب میں آیت خاتم النبیین کا نزول ہوا۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۔ (احزاب آیت ۴۱)

(اے لوگو!) محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں لیکن وہ

اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیّن ہیں اور اللہ ہر ایک چیز سے خوب آگاہ ہے۔

دو قسم کے اعتراض یاد رہے کہ مخالفین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دو طرح کے اعتراض کئے تھے۔ ایک ابوّت کے اثبات کے لحاظ سے۔ دوسرے ابوّت کی نفی کے لحاظ سے۔ یعنی ایک طرف تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو زید کا باپ قرار دے کر اعتراض کیا بحالیکہ آپ جسمانی لحاظ سے زید کے باپ نہ تھے۔ اور دوسری طرف باوجودیکہ آپ روحانی لحاظ سے تمام مومنوں کے باپ تھے۔ ان مخالفین نے آپؐ کو ابتر کہا پس ان دونوں قسم کے اعتراضوں کی تردید آیت خاتم النبیّن کے ذریعہ کی گئی ہے۔

بلحاظ اثباتِ ابوّت اعتراض کی صورت یہ تھی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب زید کی مطلّقہ سے جو آپؐ کا منہ بولا بیٹا تھا خدا کے حکم سے نکاح کر لیا تو مخالفین نے اس نکاح کو رسم جاہلیت کے خلاف پا کر اعتراض کیا کہ محمدؐ کا اپنی بہو کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں۔ یہ اعتراض دراصل بناء فاسد علی الفاسد کا مصداق تھا کہ پہلے آنحضرت کو زید کا باپ قرار دیا گیا۔ پھر باپ قرار دینے کے واسطہ سے زید کو آپ کا بیٹا قرار دیا گیا۔ اور پھر زید کے واسطہ سے زید کی بیوی کو آپؐ کی بہو قرار دیا گیا۔ اور پھر آپ کے نکاح

کو جو زید کی اس مطلقہ بیوی سے ہوا ہدفِ اعتراض بنایا گیا جس کی اس آیت میں تردید کی گئی ہے۔ اور اس اعتراض کو غلط قرار دے کر نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

جواب کی مختلف صورتیں

چنانچہ آیت کے پہلے فقرہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ سے اس اعتراض کی تردید اس طرح فرمائی کہ جب محمدؐ تم میں سے کسی مرد کا باپ ہے ہی نہیں تو زید۔ محمدؐ کا بیٹا کس طرح ہوا۔ اور جب زید محمدؐ کا بیٹا ہے ہی نہیں تو زید کی مطلقہ بیوی محمدؐ پر حرام کیسے ہو گئی؟ کیونکہ عقلِ سلیم اور فطرتِ صحیحہ اس بات کو تسلیم کرنے سے انکاری ہے کہ جو شخص بکر کے نطفہ سے ہو اس کا باپ خالد کو قرار دیا جائے۔ پس زید جو محمدؐ کے نطفہ سے نہیں ہے محمدؐ اس کا باپ نہیں ہو سکتا اور جب باپ نہیں ہو سکتا تو نیچے کا واسطہ در واسطہ سلسلہ باطل ہو جانے کی وجہ سے باعثِ اعتراض نہ رہا۔

الغرض اس پہلے فقرہ میں عقل اور فطرت کی رُو سے جواب دیا گیا ہے کہ جب محمدؐ زید کا باپ ہے ہی نہیں تو زید محمدؐ کا بیٹا کیونکر ہو سکتا ہے اور جب زید بیٹا نہیں تو زید کی بیوی محمدؐ کی بہو کیونکر ہو سکتی ہے اور جب زید کی بیوی محمدؐ کی بہو ہے ہی نہیں تو وہ مطلقہ ہونے کے بعد محمدؐ پر حرام کیسے ہو گئی؟

آیتِ موصوفہ کا دوسرا جملہ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بطور رسول پیش کر کے اس اعتراض کی تردید کی گئی ہے اور وہ اس طرح کہ رسول۔ خدا کا پیغام رساں ہوتا ہے اور رسول کے ذریعہ سے ہی خدا اپنی مرضی دنیا پر ظاہر کرتا ہے اور جو نمونہ خدا کا رسول اپنے عمل سے پیش کرتا ہے۔ بحکم لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔ (احزاب آیت ۲۲) وہی لوگوں کے لئے دستور العمل قرار پاتا ہے۔ اور اُسی کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ فعل جائز ہے یا ناجائز۔ پس آنحضرت کو اس دوسرے جملہ میں رسول اللہ کی حیثیت سے پیش کر کے لوگوں کے اعتراض کا یوں رد فرمایا کہ کیا انہیں معلوم نہیں کہ محمدؐ خدا کا رسول ہے اور خدا کا رسول نفسانی خواہش کے تحت کوئی کام نہیں کیا کرتا بلکہ وہی کچھ کرتا ہے جو خدا کی طرف سے اُسے کرنے کو کہا جاتا ہے۔ پس خدا کے رسول کا متبنّٰی کی مطلّقہ سے نکاح کرنا بحیثیت منصب رسالت قابل اعتراض نہیں ہو سکتا۔ خصوصًا ایسا اعتراض جو رسمِ جاہلیّت کی بناء پر ہو اس کا وجود تو خدا کے رسول کے فعل کے بالمقابل کوئی حیثیّت ہی نہیں رکھتا۔

آیت موصوفہ کا تیسرا جملہ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ہے۔ جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت خَاتَمَ النَّبِیّٖن پیش کر کے اس اعتراض کی تردید کی گئی ہے اور وہ اس طرح کہ خَاتَمُ

بفتحہ تاء کے معنے مُہر کے ہوتے ہیں اور مُہر کی غرض تصدیق ہوتی ہے اور جس امر کے لیئے مُہر لگائی جاتی ہے وہ مصدّقہ سمجھا جاتا ہے۔ پس اس آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نبیوں کی مُہر قرار دینا نبیوں کے مصدِّق ہونے کے معنوں میں ہے۔ یعنی ان معنوں میں کہ آپ نے متبنّٰی کی مطلّقہ سے نکاح کو جائز قرار دینے میں تمام نبیوں کی تصدیق کی ہے کیونکہ دنیا میں کوئی ایک بھی نبی ایسا نہیں گذرا جس کی تعلیم کی رو سے متبنّٰی کی مطلّقہ سے نکاح کرنا حرام ہو۔ پس مخالفین کا یہ اعتراض نبیوں کی تعلیم کے خلاف ہے۔ اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل ان کی تعلیم کے عین مطابق۔ الغرض اس جملہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بطور مصدّق النبیّین پیش کرکے اس اعتراض کا ردّ کیا گیا ہے۔

یاد رہے کہ خاتم النبیّین کے یہ معنے قرآن کریم کی تعلیم کے مغائر نہیں کیونکہ قرآن کریم میں اور بھی کئی جگہ آنحضرت کو مصدّق قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً آیت کریمہ :-

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ۔ (بقرہ آیت ١٠٢)

میں نیز آیت کریمہ :-

بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ۔ (الصّٰفّٰت آیت ٣٨)

میں بھی آپ کو مصدِّق قرار دیا گیا ہے۔ پس آیت خاتم النبیّین میں

بھی آپ کو بطور مصدق النبیین پیش کر کے بتایا گیا ہے کہ متبنّٰی کی مطلقہ سے نکاح کو جائز قرار دینے میں یہ رسول منفرد نہیں بلکہ سب نبیوں کی یہی تعلیم ہے اور اس سلسلہ میں یہ رسول ان سب نبیوں کا مصدق ہے۔ چنانچہ ان معنوں کی تائید سورۂ احزاب کی مندرجہ ذیل آیت سے بھی ہوتی ہے:۔

مَاكَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ۔

(احزاب آیت ۳۹)

یعنی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر اس فعل کی وجہ سے جو آپ پر اللہ تعالےٰ نے فرض کیا ہے کوئی الزام نہیں یہی طریق اللہ تعالےٰ نے پہلے لوگوں میں جاری کیا تھا۔

پس جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا محلِ کلام کے لحاظ سے مصدق النبیین کے معنوں میں ثابت ہے تو جو لوگ خاتم النبیین کے معنے آخر النبیین کرتے ہیں ان پر لازم ہے کہ محلِ کلام کے لحاظ سے ہمیں دکھائیں کہ یہ معنے اس موقع پر کس طرح چسپاں ہوتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ اگر خاتم النبیین کے معنے آخر النبیین کے کئے جائیں تو پھر آیت میں لٰکِنْ کا حرفِ استدراک بالکل بے معنے ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور اس صورت میں آیت کے یہ معنے بنتے ہیں کہ:۔

محمدؐ تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں لیکن وہ آخری نبی ہے۔

غور فرمایئے کیا اس اعتراض کے جواب میں کہ آنحضرتؐ کا اپنے متبنّیٰ کی مطلّقہ سے نکاح کرنا جائز نہ تھا یہ کہنا کہ

محمّدؐ آخری نبی ہے،

مناسب اور برمحل ہو سکتا ہے؟ اور کیا اس سے اعتراض کی تردید ہو جاتی ہے؟ اگر ہو جاتی ہے تو کرکے دکھائیں کہ مخالفین کا متبنّیٰ کی مطلقہ کے نکاح کے متعلق اعتراض کرنا غلط ہے۔ کیوں غلط ہے؟ اس لئے کہ آنحضرتؐ آخری نبی ہیں۔ کیا معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا انسان بھی اس اعتراض کے جواب میں یہ فقرہ کہہ سکتا ہے چہ جائیکہ خدائے علیم و حکیم کی طرف یہ فقرہ منسوب کیا جائے۔

اس آیت کا چوتھا جملہ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ہے۔ اور اس میں اللہ تعالےٰ نے اپنے کامل علم کو پیش کرکے اس اعتراض کی تردید کی ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالےٰ چونکہ ہر ایک چیز کا علم رکھنے والا ہے اس لئے وہی اس امر کو صحیح طور پر جانتا ہے کہ بنی نوع انسان کے لئے کونسی چیز مفید ہے اور کونسی چیز مضر ہے۔ پس اس کا اپنے وسیع اور کامل علم سے یہ قانون پاس کرنا کہ متبنّیٰ کی مطلّقہ سے نکاح کرنا جائز ہے قابلِ اعتراض نہیں ہو سکتا۔

الغرض اللہ تعالےٰ نے اس آیت کے آخری جملہ میں اپنے وسیع اور کامل علم کو پیش کرکے بتایا کہ محمد رسول اللہ پر ایسے فعل کی وجہ سے اعتراض کرنا جو آپؐ کے منصب رسالت سے تعلق رکھتا ہے دراصل

اللہ تعالےٰ کے وسیع اور کامل علم پر اعتراض کرنا ہے اور اگر اسکا وسیع اور کامل علم قابلِ اعتراض نہیں تو پھر اس کے رسول کا یہ فعل جو متبنّٰی کی مطلقہ سے نکاح کرنے کی صورت میں ظاہر ہوا یہ بھی قابلِ اعتراض نہیں ہوسکتا کیونکہ احکامِ شریعت کا چشمہ اللہ تعالےٰ کے وسیع اور کامل علم سے ہی پھوٹتا ہے۔

آیت خاتم النبیّن کا دوسرا پہلو

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے عہدِ نبوی کے مخالفین نے عجیب روش اختیار کر رکھی تھی۔ ایک طرف تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ابوّت کا اثبات کر کے یہ اعتراض کیا جاتا کہ محمدؐ زید کا باپ ہے اور بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ حالانکہ آپؐ زید کے باپ نہ تھے اور دوسری طرف آپ کی ابوّت کی نفی کر کے ابتر کا اعتراض اٹھایا جاتا کہ یہ شخص چونکہ نرینہ اولاد نہیں رکھتا اس لئے اس کے مذہب کا سلسلہ اس کی زندگی تک ہی جاری رہ سکتا ہے جب یہ مر گیا تو ساتھ ہی اس کے مذہب کا سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا۔ حالانکہ نبیوں کے سلسلہ کی بقا جسمانی اولاد سے وابستہ نہیں ہوتی بلکہ اس کے قیام کے لئے روحانی اولاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ الغرض مخالفین نے افراط و تفریط کی راہ اختیار کر کے ایک طرف ابوتِ جسمانی کے اثبات کی بناء پر اعتراض کیا اور دوسری طرف ابوتِ روحانی کی نفی کی بناء پر اعتراض اٹھایا اور اعتراض

کی دونوں صورتیں ہی غلط پیش کیں۔

آیاتِ قرآنی ذوالوجوہ ہیں۔

اعتراض کی پہلی صورت کا جواب ہو چکا ہے۔ اب اعتراض کی دوسری صورت کا جواب پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ اعتراض کا جواب دیا جائے یہ عرض کرنا بے محل نہ ہوگا۔ کہ قرآنِ کریم کی آیات ذوالوجوہ ہیں اور ایک ایک آیت سے کئی کئی مطالب مستنبط ہو سکتے ہیں۔ اور کلامِ مجید کی آیات کی یہ عجیب شان ہے کہ وہ صرف سیاق و سباق کے لحاظ سے ہی اپنے اندر مختلف مطالب نہیں رکھتیں بلکہ اپنی مستقل حیثیت سے بھی متعدد مطالب کی حامل ہیں۔ جیسے چراغ اور کواکب اجتماعی صورت میں بھی روشنی دیتے ہیں۔ اور انفرادی حیثیت میں بھی راہ دکھانے اور روشنی پھیلانے کا موجب ہیں ؎

یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اِس میں مہیا نکلا (درِّثمین)

الغرض آیت خاتم النبیّین کا ایک مطلب تو سیاق و سباق کے لحاظ سے ہے جو اُوپر بیان ہو چکا ہے اور دوسرا مستقل حیثیت سے ہے جواب بیان کیا جاتا ہے۔

آیتِ موصوفہ کا دُوسرا مطلب

یاد رہے کہ آیت خاتم النبیّین کے پہلے فقرہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ میں اگرچہ اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے

کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد کوئی نہیں اور آپ ایسے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں جن کا جسمانی رشتہ بقائے نسل کے لئے ضروری ہوتا ہے لیکن بایں ہمہ آپ ابتر نہیں کہلا سکتے کیونکہ آپ صرف محمدؐ ہی نہیں بلکہ رسول بھی ہیں اور آپ کی دو حیثیتیں ہیں ایک جسمانی یعنی محض محمدؐ ہونے کے لحاظ سے۔ اور دوسری روحانی یعنی رسول اللہ ہونے کے لحاظ سے۔ گو محمدؐ ہونے کے لحاظ سے آپؐ کسی مرد کے باپ نہیں لیکن رسول اللہ ہونے کے لحاظ سے آپؐ تمام مومنوں کے باپ ہیں۔ اور رسولوں کو اپنے سلسلہ کی بقاء کے لئے محض رجال کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ایسے رجال کی ضرورت ہوتی ہے جو مومن ہوں رسول کی اگر جسمانی اولاد ہو بھی لیکن مومن نہ ہو تو بقائے سلسلہ کے لئے ایسی اولاد کچھ بھی کار آمد نہیں ہو سکتی۔ اس کے برعکس اگر رسول کی جسمانی اولاد نہ بھی ہو لیکن روحانی اولاد ہو تو بقائے سلسلہ میں کچھ خلل واقع نہیں ہوتا۔ پس مخالفین کے طعن کے جواب میں اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو بحیثیت رسول پیش کرکے اس اعتراض کا قلع قمع کر دیا جو جسمانی ابوت کی نفی کی بناء پر پیدا ہوتا تھا۔ واضح رہے کہ آپؐ کی روحانی ابوت آیت کریمہ:۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَ
اَزْوَاجُہٗ اُمَّہَاتُہُمْ۔ (احزاب آیت ۷)

سے بھی ثابت ہے کیونکہ اس آیت میں نبیؐ کی بیویوں کو مومنوں کی مائیں

قرار دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب نبیؐ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہوئیں تو لامحالہ نبی مومنوں کا باپ ٹھہرا۔ یہی وجہ ہے کہ آیت

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (حجرات آیت ۱۱)

میں سب مومنوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔

بہرکیف جیساکہ اُوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ رسول اللہ کے الفاظ میں آپؐ کو مومنوں کا باپ ٹھہرایا گیا ہے اور پھر خاتم النبیّین کا کلمہ لاکر مضمون کو اور زیادہ وسعت دی گئی ہے کہ آپ صرف مومنوں کے باپ نہیں بلکہ نبیوں کے بھی باپ ہیں اور آپؐ کی تاثیرِ قدسی سے دنیا میں جہاں مومن پیدا ہوتے رہیں گے وہاں نبی بھی پیدا ہوتے رہیں گے اس لئے قیامت تک نہ آپؐ کا مذہب مٹ سکتا ہے اور نہ ہی آپؐ کی ابوّت کا سلسلہ منقطع ہو سکتا ہے۔

یاد رہے کہ آیتِ موصوفہ میں رسول اللہ کے بعد جو خاتم النبیّین کا لفظ بطور معطوف واقع ہے وہ بھی رسول اللہ کے لفظ کی طرح آپؐ کی روحانی ابوّت کے اثبات کے لئے ہی آیا ہے اور جس طرح رسول اللہ کے لفظ سے روحانی ابوّت کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اسی طرح خاتم النبیّین کے لفظ سے بھی بوجہ عطف یہی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ پس جو لوگ خاتم النبیّین کے معنے نبیوں کا ختم کرنے والا کرتے ہیں ان پر لازم ہے کہ محلِّ کلام کے لحاظ سے ہمیں دکھائیں کہ یہ معنے اس موقع پر کس طرح چسپاں ہوتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ اگر خاتم النبیّین

کے معنے نبیوں کا ختم کرنے والا کئے جائیں تو پھر اس آیت میں لٰکِنْ کا حرفِ استدراک جو تلافیٔ مافات کے لئے آیا ہے بالکل بے معنے ہو کر رہ جاتا ہے اور اس صورت میں آیت کے یہ معنے بنتے ہیں کہ:۔

"محمدؐ تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں لیکن وہ نبیوں کا ختم کرنیوالا ہے"

غور فرمائیے کیا اس اعتراض کے جواب میں کہ

محمدؐ نرینہ اولاد نہیں رکھتا اس لئے اس کا مذہب اس کے مرنے کے بعد مٹ جائے گا۔

یہ کہنا مناسب اور برمحل ہو سکتا ہے کہ

محمدؐ تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں لیکن وہ نبیوں کا ختم کرنیوالا ہے۔

اور کیا اس فقرہ سے مخالفین کے اعتراض کی تردید ہو جاتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس آیتِ موصوفہ کا یہی مطلب درست ہے کہ

محمد صلے اللہ علیہ وسلم جسمانی لحاظ سے تو تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں لیکن رُوحانی لحاظ سے وہ نہ صرف مومنوں کے باپ ہیں بلکہ نبیوں کے بھی باپ ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

الغرض اس آیت کے ذریعہ بالواسطہ نبوّت کا دروازہ کھولا گیا ہے نہ کہ بند کیا گیا ہے۔ ہاں اس نبوّت کا دروازہ بے شک بند کر دیا گیا ہے جو نئی شریعت کی حامل ہو یا بلا واسطہ ہو۔ کیونکہ ایسی نبوّت اگر جاری رہے تو اس سے ایک طرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا مذہب مٹ جاتا ہے اور دوسری طرف آپکی روحانی ابوّت کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے

روحانی ابوّت کی توجیہہ

اور جس توجیہہ سے رسول اللہ کا لفظ مومنوں کے باپ کے معنوں میں استعمال کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ تبلیغ رسالت کے نتیجہ میں جو لوگ حق کو قبول کر لیتے ہیں اور خدا کے رسول پر ایمان لے آتے ہیں ان کے اندر اس ایمان کی وجہ سے ایک خاص قسم کی رُوح پیدا ہو جاتی ہے جس کے لئے اعمالِ صالحہ کا وجود بطور ایک جسم کے ہوتا ہے اور ان روحانی تولّد پانے والے افراد کو مومن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور خدا کا رسول ان کے لئے بطور باپ کے ہوتا ہے۔ کیونکہ مومن کا روحانی تولّد اور رُوحانی وجود رسول کے توسّط سے ہی ظہور میں آتا ہے۔ بہرکیف جس طرح جسمانی تولّد کا باعث مرد کی رجولیّت ہوتی ہے اسی طرح روحانی تولّد کا سبب رسول کی قوتِ قدسیہ ہوتی ہے اور جس طرح جسمانی تولّد کے لئے مناسب استعداد کا ہونا ضروری ہے اسی طرح روحانی تولّد کے لئے بھی مناسب استعداد کا ہونا ضروری ہے۔ اور جس طرح جسمانی تولّد کے سبب اور توسّط کا نام باپ رکھا جاتا ہے اسی طرح روحانی تولّد کے سبب اور توسّط کا نام بھی باپ رکھا جاتا ہے۔

اور جس توجیہہ سے خاتَم النبیّن کا لفظ نبیوں کے باپ کے معنوں میں لیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ لغوی لحاظ سے خَاتَم بفتح تاء کے معنے مُہر کے ہیں کیونکہ خَاتَم اسمِ آلہ ہے نہ کہ اسمِ فاعل اور جیسا کہ

سب جانتے ہیں کہ مُہر کے توسط سے نقوش پیدا کئے جاتے ہیں۔ جو مُہر کے لئے بمنزلہ اولاد کے ہوتے ہیں۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نبیوں کی مُہر کہنا دوسرے لفظوں میں آپؐ کو نبیوں کا باپ قرار دینا ہے گویا رسول اللہ کے کلمہ سے آپ کو مومنوں کا باپ ٹھہرایا گیا ہے اور خاتم النبیین کے کلمہ سے نبیوں کا باپ^ل۔ اور یوں آپ کی امتیازی شان ظاہر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ آپ دوسرے نبیوں کی طرح صرف

ل حضرت مولٰنا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانیٔ دار العلوم دیوبند آیت خاتم النبیین کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ :-

"جیسے خاتم بفتح تاء کا اثر اور نقش مختوم علیہ میں ہوتا ہے ایسے ہی موصوف بالذّات کا اثر موصوف بالعرض میں ہوتا ہے۔ حاصل مطلب اس صورت میں یہ ہوگا کہ ابوّتِ معروفہ تو رسول اللہ صلعم کو کسی مرد کی نسبت حاصل نہیں پر ابوّتِ معنوی امتیوں کی نسبت بھی حاصل ہے اور انبیاء کی نسبت بھی حاصل ہے۔ انبیاء کی نسبت تو فقط خاتم النبیین شاہد ہے۔۔۔۔ سو جب ذاتِ بابرکات محمدی صلعم موصوف بالذّات بالنبوۃ ہوئی اور انبیاء باقی موصوف بالعرض تو یہ بات اب ثابت ہو گئی کہ آپ والدِ معنوی ہیں اور انبیاء باقی آپ کے حق میں بمنزلہ اولاد معنوی" (تحذیر النّاس صفحہ ۱۰-۱۱)

ایسے مومنوں کے ہی باپ نہیں جو غیر نبی ہیں بلکہ آپ نبیوں کے بھی باپ ہیں یعنی مخالفین تو آپؐ کو ابتر قرار دے کر طعنہ زن ہیں کہ آپ کی نرینہ اولاد کوئی نہیں اور نہ ہی آپؐ کا کوئی متبنّٰی رہا ہے اس لئے آپؐ کا سلسلہ آپ کی وفات کے بعد درہم برہم ہو جائے گا لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ آپ جہاں رسول ہیں وہاں خاتم النبیّین بھی ہیں اور آپ کی بکثرت روحانی اولاد ہوگی اور آپ کی تاثیر قدسی سے صرف مومن ہی پیدا نہیں ہونگے بلکہ نبی بھی پیدا ہوں گے جیسا کہ آیتِ کریمہ:۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ (نساء ۶)

سے ظاہر ہے کہ آپ کی روحانی اولادیں صالح۔شہید اور صدیق ہی نہ ہونگے بلکہ نبی بھی ہوں گے جو آپ کے سلسلہ کو جاری رکھیں گے اور ترقی دیں گے پس مخالفین کا اعتراض لغو اور پوچ ہے آپ ہرگز ابتر نہیں انشاء اللہ آپ کا دشمن ہی ابتر ثابت ہوگا۔

آیت موصوفہ کا ماحصل

خلاصہ کلام یہ کہ ان حقائق کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد نہیں تو نہ سہی اور اگر زید آپؐ کا متبنّٰی نہیں رہا تو نہ سہی۔ آپؐ کی روحانی اولاد تو ہے جو آپؐ کے اغراض ومقاصد کو پورا کرتی رہے گی پس مخالفین کو یہ توقع نہیں

رکھنی چاہئیے کہ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے فوت ہونے کے ساتھ ہی آپ کا سلسلہ مٹ جائے گا۔ مٹے گا نہیں بلکہ برابر ترقی کرتا چلا جائیگا کیونکہ اس کے قیام و بقا کے لئے آپؐ کی رُوحانی اولادیں صرف مومن ہی پیدا نہیں ہوں گے بلکہ نبی بھی پیدا ہوتے رہیں گے جو اشاعتِ اسلام کا فریضہ تاقیامت سرانجام دینے چلے جائیں گے اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو جہاں صاحبِ کوثر بنایا ہے وہاں صاحبِ خاتم بھی بنایا ہے۔

اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ اپنی ایمان افروز تصنیف "حقیقۃ الوحی" میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"اللہ جل شانہٗ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو صاحبِ خاتم بنایا اور آپؐ کو افاضۂ کمال کے لئے وہ مُہر دی جو کسی اَور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی اسی وجہ سے آپؐ کا نام خاتم النبیّین ٹھہرا یعنی آپ کی پیروی کمالاتِ نبوّت بخشتی ہے اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے اور یہ قوتِ قدسیہ کسی اَور نبی کو نہیں ملی"۔ (حقیقۃ الوحی حاشیہ ص۹۶)

خاتم النبیّین کے متعلق بعض حوالے

خاتم النبیّین کے متعلق بعض جید علماء کے حوالے ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ اہلسنّت کے ممتاز عالم حضرت امام ملّا علی القاری تحریر فرماتے ہیں۔

"قَوْلُہٗ تَعَالیٰ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ اِذِ الْمَعْنیٰ اَنَّہٗ لَا یَاْتِیْ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ یَنْسَخُ مِلَّتَہٗ وَلَمْ یَکُنْ مِّنْ اُمَّتِہٖ" (موضوعاتِ کبیر صفحہ ۶۹)

یعنی خاتم النبیّین کے یہ معنے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرنے والا ہو اور آپ کی امّت میں سے نہ ہو۔

۲۔ بارھویں صدی کے مجدّد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:۔

"خُتِمَ بِہِ النَّبِیُّوْنَ اَیْ لَا یُوْجَدُ مَنْ یَّاْمُرُہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بِالتَّشْرِیْعِ عَلَی النَّاسِ"

(تفہیماتِ الٰہیہ جلد ۲ صفحہ ۷۲)

یعنی آنحضرتؐ کے خاتم النبیّین ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اب کوئی ایسا شخص نہیں ہوگا جسے اللہ تعالےٰ لوگوں کے لئے شریعت دے کر مامور فرمائے یعنی اگر آئندہ نبی آئے گا تو بغیر نئی شریعت کے۔

۳۔ جناب مولانا عبدالحیٔ صاحب فرنگی محلی لکھتے ہیں:۔

"بعد آنحضرت کے یا زمانے میں آنحضرت کے مجرد کسی نبی کا ہونا محال نہیں بلکہ صاحبِ شرعِ جدید ہونا البتہ ممتنع ہے۔"

(رسالہ دافع الوسواس صفحہ ۱۶)

۴۔ حضرت مولنا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئیگا"
(تحذیر الناس ص۲۸)

۵۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں کہ:۔

"آیت خاتم النبیین اور آیت سراجاً منیرا سے حضور کی شان محض نبوت ہی نہیں نکلتی بلکہ نبوت بخشی بھی نکلتی ہے کہ جو بھی نبوت کی استعداد پایا ہوا فرد آپؐ کے سامنے آگیا نبی ہو گیا" (آفتاب نبوت ص۱۰۹)

۶۔ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی شیخ الاسلام پاکستان خاتم النبیین کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"جن کو نبوت ملی ہے آپؐ ہی کی مہر لگ کر ملی ہے"
(قرآن کریم مترجم حاشیہ)

ختمِ نبوّت اور تکمیلِ دین

(۱)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آیتِ کریمہ:۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (مائدہ آیت ۴)

کے ذریعہ چونکہ دین کے اکمال اور نعمت کے اتمام کا اعلان ہو چکا ہے اس لئے اب کوئی نبی نہیں آسکتا۔ سو اس بارے میں یاد رکھنا چاہیئے کہ اس آیت میں جمع مخاطب لَکُمْ کی ضمیر استعمال کی گئی ہے اور اس خطاب میں امتِ مسلمہ کے وہ تمام افراد شامل ہیں جن کو قیامت تک پیدا ہونا ہے اور جب دین کی انہیں کے لئے تکمیل کی گئی ہے تو ظاہر ہے کہ نعمت کا اتمام بھی انہیں کے لئے کیا گیا ہوگا۔ پس جس طرح ان کو اسلام کے ذریعہ کامل دین ملے گا ویسے ہی ان کو اسلام کے ذریعہ نبوّت کی نعمت بھی پوری پوری ملے گی۔

علاوہ ازیں اس ضمیرِ مخاطب لَکُمْ میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امّت کے سوا نہ کسی اور امّت کو کامل دین ملا ہے اور نہ ہی پوری پوری نعمت مل سکتی ہے گویا آئندہ آنیوالا نبی امّتِ محمدیّہ سے ہی آئے گا نہ کہ کسی دوسری امّت سے

اور وہ اُمتی نبی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے لئے بطور نشانِ فضیلت ہوگا۔ بہرکیف آیت کریمہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ سے نبوّت کا انقطاع ثابت نہیں ہوتا بلکہ امکان ثابت ہوتا ہے۔ تجدیدِ دین کے لئے نبی آسکتا ہے لیکن تکمیلِ دین کے لئے اب کوئی نبی مبعوث نہیں ہوسکتا۔

(۲)

یاد رہے کہ اگر اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ کے یہ معنے کئے جائیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نبوّت کی نعمت ختم ہوگئی ہے اور اب کوئی نبی نہیں آسکتا تو یہ قرآنی محاورہ کے خلاف ہوگا کیونکہ قرآن مجید میں صاف مذکور ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے اپنا خواب اپنے باپ یعقوب علیہ السلام کو سُنایا تو انہوں نے فرمایا کہ

وَیُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ یَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَیْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ۔ (یوسف آیت ۷)

یعنی اللہ تعالےٰ تجھ پر اور یعقوب کی ساری آل پر اپنی نعمت پوری کرے گا جیسا کہ اس نے قبل ازیں تیرے دو بزرگوں ابراہیم اور اسحاق پر اپنی نعمت پوری کی ہے۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام پر بھی نعمت کا اتمام ہوا

اور اسحاق علیہ السلام پر بھی نعمت کا اتمام ہؤا تو کیا ابراہیم اور اسحاق علیہ السّلام کے بعد کوئی نبی نہیں آیا؟ جب ان کے بعد پے در پے نبی آتے رہے ہیں تو اتمامِ نعمت کے معنے نبوّت کا ختم ہونا کیسے تسلیم کئے جا سکتے ہیں؟ پس اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِیْ کے یہ معنے نہیں کہ اب امّتِ محمدیّہ میں کوئی نبی پیدا نہ ہوگا بلکہ یہ مطلب ہے کہ آئندہ اللہ تعالےٰ امّتِ محمدیّہ میں ہی نبی پیدا کرے گا نہ کہ کسی دوسری امّت میں۔

(۳)

اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں نبوّت کو نعمت قرار دیا ہے جیسا کہ آیتِ کریمہ ہے:-

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا۔ (مائدہ آیت ۲۱)

یعنی تم اس وقت کو یاد کرو جب موسٰی نے (اپنی) قوم سے کہا تھا اے میری قوم! تم اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کرو جو اس نے تم پر اس صورت میں کی کہ اس نے تم میں نبی مبعوث کئے اور تمھیں بادشاہ بنایا۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ نبوّت ایک نعمت ہے پس تکمیلِ دین کے نتیجہ میں اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا دروازہ اور زیادہ کشادہ ہونا چاہیئے

تھا نہ کہ بند۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالےٰ بعض اوقات اپنی نعمتیں چھین بھی لیتا ہے۔ لیکن یہ اس صورت میں ہوتا ہے کہ جب کسی قوم کی حالت حد سے زیادہ بگڑ جاتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے:۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

(انفال آیت ۵۴)

یعنی اللہ تعالےٰ جب کسی قوم پر کوئی نعمت نازل کرتا ہے تو اس نعمت کو بدلتا نہیں جب تک کہ وہ قوم اپنی حالت کو خود نہ بدل دے۔

لیکن خیر امت کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ساری کی ساری اس قدر بگڑ جائے گی کہ اللہ تعالےٰ دائمی طور پر اس کو اپنی نعمتوں سے محروم کر دے گا۔

اور اگر کہا جائے کہ تشریعی نبوت کیوں بند ہو گئی آخر وہ بھی تو نعمت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تشریعی نبی اس وقت آتا ہے جب سابقہ شریعت ناقص اور نامکمل ہو یا محرّف و مبدّل ہو چکی ہو قرآنی شریعت نہ ناقص اور نامکمّل ہے اور نہ ہی خدائی وعدہ کے مطابق محرّف و مبدّل ہو سکتی ہے۔ اس لئے کوئی تشریعی نبی نہیں آ سکتا لیکن غیر تشریعی نبی اس وقت مبعوث ہوتا ہے جب دنیا میں ضلالت و

گمراہی پھیل جاتی ہے اور شریعت کے ہوتے ہوئے لوگ راہِ راست سے بھٹک جاتے ہیں اور ایسا نبی کوئی نیا دین لے کر نہیں آتا بلکہ سابقہ شریعت کے ذریعہ سے ہی لوگوں کی اصلاح کا فریضہ سر انجام دیتا ہے۔ بہرکیف اگر نبوّت نعمت ہے تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ تکمیلِ دین کی وجہ سے خیرِ اُمّت کو اس نعمت سے محروم کر دیا جائے۔

(۴)

اگر تکمیل دین کا یہ مطلب لیا جائے کہ آئندہ کوئی نبی نہیں آسکتا تو سورۂ فاتحہ کا ہر نماز میں بالالتزام پڑھنا عبث ٹھہرتا ہے اور خدا تعالےٰ کی قدوس ذات پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس نے سورۂ فاتحہ کی دُعا تو سکھائی لیکن اس دُعا کے نتائج سے جو انعامِ نبوّت سے تعلق رکھتے ہیں اُمّتِ مسلمہ کو محروم رکھا۔ کیونکہ سورۂ فاتحہ کے ذریعہ یہ دُعا مانگی جاتی ہے کہ اے خدا! ہمیں انعام یافتہ لوگوں میں شامل فرما اور انعام یافتہ لوگوں سے مراد جیسا کہ سورۂ نساء میں بتایا گیا ہے۔ نبی۔ صدیق۔ شہید اور صالح ہیں۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے خود مسلمانوں کو انعام یافتہ لوگوں میں شامل ہونے کے لئے دعا سکھلائی ہے اور انبیاء کرام کو انعام یافتہ لوگ قرار دیا ہے، تو یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ آئندہ کسی کو نبوّت کا انعام نہیں مل سکتا۔

اسی طرح درود شریف کے ذریعہ بھی یہ دُعا کی جاتی ہے۔ کہ اے

خدا جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل کیں اسی طرح محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر بھی تو اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما۔ اور قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی آل کو اللہ تعالےٰ نے دو قسم کی نعمتوں سے نوازا تھا۔ ایک نبوت کی نعمت سے۔ دوسرے بادشاہت کی نعمت سے۔ اگر تکمیل دین کی وجہ سے ان نعمتوں کا دروازہ بند ہو چکا ہے تو درود شریف کی دعا کے ذریعہ کس چیز کو طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟ اور کیا اس چیز کے عطا ہونے کی بنا پر آل محمد۔ آل ابراہیم کی طرح انعام یافتہ جماعت قرار دی جا سکتی ہے؟

(۵)

اللہ تعالےٰ کی ایک صفت ہادی بھی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے:۔

وَاِنَّ اللّٰہَ لَھَادٍ۔ (حج آیت ۵۵)

اور نبی خدا کی صفت ہادی کا مظہر ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۃ رعد میں فرماتا ہے:۔

وَلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ ۝ (رعد آیت ۸)

اور وہ وحی الٰہی کی رہنمائی میں لوگوں کو باطل کے اندھیرے سے نکال کر حق کی روشنی میں لاتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت معطل نہیں ہو سکتی تو پھر یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے۔ کہ

تکمیلِ دین کی وجہ سے نبوت کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے ؟

(۶)

مذہب کی علتِ غائی انسان کو خدا کا عبد بنانا ہے کیونکہ آیت کریمہ
وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ۝
(ذاریات آیت ۵۷)

میں اللہ تعالےٰ نے انسان کی پیدائش کا یہی مقصد قرار دیا ہے۔ کہ وہ اس کا عبد بنے۔ نبی اللہ تعالےٰ کا عبدِ کامل ہوتا ہے۔ اگر اسلام کسی کو عبدِ کامل نہیں بنا سکتا تو وہ دینِ کامل کہلانے کا حقدار کیسے ہو سکتا ہے ؟

(۷)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے ایسی کامل کتاب عطا فرمائی جو نہ صرف عرب بلکہ ساری دنیا کے لئے کافی ہے لیکن کوئی کتاب اس وقت تک مفید اور کار آمد نہیں ہو سکتی جب تک اس کے ساتھ کوئی ایسا وجود نہ ہو جو اس کتاب کی عملی تصویر ہو۔ اگر صرف کتاب ہی تبلیغ ہدایت کا فریضہ سر انجام دے سکتی تو آنحضرت کی بعثت کی ضرورت کیا تھی اللہ تعالیٰ آپ کے بغیر بھی کتاب نازل کر سکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ کتاب کو اس وقت تک نہیں بھیجا جب تک معلمِ کتاب کو دُنیا میں نہیں بھیج لیا۔ پس تکمیلِ دین کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ آئندہ

خدا کی کتابِ صامت اس کی کتابِ ناطق کے بغیر تبلیغ ہدایت کا فریضہ سرانجام دیا کرے گی۔

(۸)

یہ ٹھیک ہے کہ قرآنِ مجید بمنزلہ ایک تلوار کے ہے لیکن تلوار چلانے کے لئے بھی قوتِ بازو اور فنِ حرب کی ضرورت ہوتی ہے اور جو شخص کمزور بازو رکھتا ہوا ور فنِ حرب سے ناآشنا ہو وہ تیز تلوار سے بھی وہ کام نہیں لے سکتا جو قوی بازو رکھنے والا اور جنگی فنون کا ماہر کُند تلوار سے لے سکتا ہے۔ دُنیا اِس بات سے اچھی طرح آگاہ ہے۔ کہ جب یہی قرآن رسولِ کریمؐ کے طاقتور ہاتھوں میں تھا تو اس نے بلحاظ تبلیغِ ہدایت کیا کیا کارنامے سرانجام دیئے اور کس طرح ایک پسماندہ قوم کو زمین سے اُٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا۔ لیکن جب یہی قرآن بعد کے کمزور ہاتھوں میں آیا تو امّتِ مُسلمہ کا اقبال ادبار سے۔ اور ترقی تنزل سے۔ اور اتحاد تفرقہ سے بدل گیا۔ قرآن ایک کامل کتاب تو ہے ۔ اور ہر قسم کے فیوض و برکات اپنے اندر رکھتی ہے لیکن یہ اسی وقت مؤثر اور کارآمد ہوسکتی ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی کامل متبع جسے خود اللہ تعالےٰ نے دُنیا کی اصلاح کیلئے کھڑا کیا ہوا سے اپنے ہاتھوں میں لیکر تبلیغِ ہدایت کا فریضہ سرانجام دے۔

(۹)

آیتِ کریمہ :۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ۔
(حجر آیت ۱۰)

میں اللہ تعالیٰ نے بے شک قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ اس سے صرف لفظی حفاظت ہی مراد نہیں۔ بلکہ معنوی حفاظت بھی مراد ہے اور معنوی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ ہر زمانہ میں ایسے مطہر وجود پیدا ہوتے رہیں جو قرآنی تعلیمات کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ کیونکہ قرآن کے بعض حصّے ایسے ہیں کہ جب تک کوئی ان کا عملی نمونہ نہ دکھائے سمجھ میں نہیں آسکتے۔ مثلاً خدا کا عالم الغیب ہونا۔ مجیب الدعوات ہونا۔ قادرِ مطلق ہونا اور اس کا اپنے برگزیدہ بندوں پر الہام نازل کرنا اور ان کو نصرت غیبی سے نوازنا وغیرہ ایسے امور ہیں جو عملی نمونہ کے محتاج ہیں اور ایسے حصّوں کو وہی لوگ دلنشین کرا سکتے ہیں جو صاحبِ حال ہوں پس تکمیلِ دین کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی معنوی حفاظت سے دستکش ہو جائے۔

(۱۰)

تزکیہ نفوس کے لئے نیک لوگوں کی صحبت ازبس ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں فرماتا ہے:۔

كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔ (توبہ آیت ۱۱۹)

کہ راست بازوں کے ساتھ رہو۔

اور دنیا میں انبیاء سے بڑھ کر کون راستباز ہو سکتا ہے! کیا یہ ایک حقیقت نہیں کہ جن لوگوں کو انبیاء کی صحبت میسر آتی ہے اُن کے ایمان اور عمل کا اَور رنگ ہوتا ہے۔ اور جن کو انبیاء کی صحبت میسر نہیں آتی ان کے ایمان اور عمل کا رنگ اَور ہوتا ہے؟ اور اگر یہ بات نہیں تو کیا وجہ ہے کہ جو رُوح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں کارفرما تھی وہ ہمیں آج کے مسلمانوں میں نظر نہیں آتی؟ پس اصلاحِ نفوس کے لئے ضروری ہے کہ یا صاحبِ شریعت نبی لمبی عمر پائے اور ہر زمانہ کے لوگوں کی براہِ راست تربیت کرے اور یا اس کے ورثاء اور اظلال جو اسی کے کمالات اپنے اندر رکھتے ہوں پیدا ہوتے رہیں تاکہ کسی دَور کے لوگ بھی برکاتِ رسالت سے محروم نہ رہیں۔

(۱۱)

اللہ تعالےٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:۔

وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ۔

(رعد آیت ۱۸)

یعنی جو چیز لوگوں کے لئے نافع اور مفید ہوتی ہے وُہ دنیا میں قائم رہتی ہے اور جو غیر نافع اور غیر مفید ہوتی ہے وہ دنیا سے نابود ہو جاتی ہے۔

اگر یہ درست ہے کہ نبوّت ایک نافع اور مفید چیز ہے اور اس کے ذریعہ

لوگوں کو دنیوی حسنات کے علاوہ اُخروی حسنات بھی حاصل ہوتی ہیں تو کیا اس کا انقطاع مذکورہ بالا آیت کے منافی نہ ہوگا؟

(۱۲)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دینِ اسلام کامل بھی ہے اور الٰہی وعدہ کے مطابق محفوظ بھی ہے لیکن چونکہ اُمت کے افراد محفوظ نہیں اور ان کا گمراہ ہونا ممکنات سے ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود بھی فرمایا ہے:۔

خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَفْشُو الْكَذِبُ۔

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۸۶ مطبوعہ مصر)

یعنی بہترین زمانہ میرا ہے پھر ان کا جو اُن سے متصل ہیں پھر ان کا جو ان سے متصل ہیں۔ پھر جھوٹ پھیل جائیگا۔

تو ایسی حالت میں سوائے اس کے اور کیا چارۂ کار ہو سکتا ہے کہ خدا کی طرف سے کوئی مامور آکر اصلاحِ اُمت کا فریضہ سرانجام دے ہاں اگر تکمیلِ دین کے نتیجہ میں اُمتِ مسلمہ ہر قسم کے خطرات سے محفوظ ہو جاتی اور اس کی حالت ویسی ہی رہتی جیسی کہ آنحضرت کے زمانہ میں تھی تو پھر واقعی کسی مامور کے آنے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن جب خطرات موجود ہیں تو پھر ان کے تدارک کے لئے خدا کا مامور کیوں نہ آئے؟

اور اگر کہا جائے کہ اصلاح کے لئے علماء ہی کافی ہیں کسی نبی کی کیا ضرورت ہے؟ تو یہ درست نہ ہوگا وجہ یہ کہ اس تاریک دَور میں جس کا ذکر اُوپر کیا گیا ہے علماء کی حالت تو خود قابلِ اصلاح ہوگی جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"تَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ فَزْعَةٌ فَيَصِيْرُ النَّاسُ اِلٰى عُلَمَآئِهِمْ فَاِذَا هُمْ قِرَدَةٌ وَّخَنَازِيْرُ"

(کنز العمّال جلد ۷ صفحہ ۱۹۰)

یعنی ایک وقت آئے گا کہ میری امّت میں گھبراہٹ پیدا ہوگی تب لوگ اپنے علماء کی طرف رجوع کریں گے تو انہیں معلوم ہوگا کہ وہ علماء نہیں رہے بلکہ بندر اور خنزیر ہو چکے ہیں۔

غور فرمایئے۔کیا ایسی ناگفتہ بہ حالت میں علماء سے اصلاح کی توقع وابستہ کی جاسکتی ہے؟ اور کیا ایسے تاریک دَور میں "سوادِ اعظم" اور "اجماع" کی کوئی حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟

(۱۳)

تعجب ہے کہ ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ دین چونکہ مکمل ہو چکا ہے اس لئے اب کوئی نبی نہیں آسکتا اور دوسری طرف یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امّتِ مسلمہ میں تیس جھوٹے نبی پیدا ہوں گے گویا دین کی تکمیل جھوٹے نبیوں کی آمد میں تو روک نہیں جو مومنوں کو کافر اور

موحدوں کو مشرک بنانے والے ہیں لیکن سچے نبیوں کی آمد بند کر دی گئی ہے جو کافروں کو مومن اور مشرکوں کو موحّد بنانے کے لئے آتے ہیں۔ کیا اس صورت میں دین کا اکمال محلِ مدح پر منصوّر ہوگا یا محلِ ذم پر؟ گویا دین کا اکمال جھوٹے نبیوں کو تو نہیں روکتا۔ جو باطل کے اندھیرے کی طرف دھکیلتے ہیں مگر سچے نبیوں کو روکتا ہے جو حق کی روشنی کی طرف کھینچتے ہیں۔ وباؤں کو تو پھیلنے کی اجازت ہے کہ لوگ بیمار ہو کر ہلاک ہوں مگر ڈاکٹروں کو آنے کی اجازت نہیں کہ مبادا کوئی شخص ان کے علاج سے چنگا ہو کر ہلاکت سے نجات پا جائے۔ کیا خیرِ امت کے نصیب میں جھوٹے نبی ہی لکھے ہیں؟ اور کیا اسلام کے شجرۂ طیبہ کی شاخوں سے کانٹے ہی جھڑتے رہیں گے؟

(۱۴)

یاد رہے کہ دین کی تکمیل اس بات کو مستلزم نہیں کہ اللہ تعالےٰ اس کی مناسب نگہداشت سے بھی دستکش ہو جائے مکان مکمل ہو جانے کے بعد بھی صفائی اور حفاظت کا محتاج رہتا ہے اور قصرِ اسلام کے بارے میں تو خاص طور پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے:۔

"اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا" (ابوداؤد)

یعنی اللہ تعالےٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے سر پر

ایسے لوگوں کو مبعوث کرتا رہے گا جو اسلام کے خوبصورت محل کو بیہودہ روایات اور غلط تشریحات کے گرد و غبار سے پاک و صاف کرتے رہیں گے۔

نیز اُمت کو آپؐ نے یہ انتباہ بھی فرمایا:۔

"مَنْ لَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ فَقَدْ مَاتَ مِیْتَۃً الْجَاھِلِیَّۃِ"

(بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۴۵ و کنز العمّال صفحہ ۲۶)

یعنی جو شخص اپنے وقت کے امام کو شناخت کر کے اس کے حلقۂ اطاعت میں داخل نہ ہوگا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

پس تکمیلِ دین کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ آئندہ اللہ تعالیٰ اسلام کی حفاظت و صیانت اور ترویج و اشاعت کے لئے بھی کوئی تدبیر عمل میں نہیں لائے گا۔

(۱۵)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآنِ مجید کے نزول سے شریعت مکمل ہو چکی ہے اور اب کسی نئی شریعت کی ضرورت نہیں لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ انبیاء نئی شریعت لیکر ہی مبعوث نہیں ہوا کرتے بغیر نئی شریعت کے بھی مبعوث ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی گذرے ہیں جن میں سے شریعت

لانے والے رسُول صرف تین سو پندرہ تھے۔ (مشکوٰۃ۔ مسند احمد بن حنبل)
اور قرآن کریم سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ موسےٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں جو نبی مبعوث ہوئے تھے ان میں سے ایک بھی نئی شریعت لے کر نہیں آیا تھا۔ بلکہ وہ سب کے سب موسوی شریعت کے قیام کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

۱۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ۔ (البقرہ آیت ۸۸)

یعنی ہم نے موسیٰ کو کتاب دی۔ اور پھر ہم نے اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے۔

۲۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا۔ (مائدہ آیت ۴۵)

یعنی ہم نے موسیٰ پر تورات نازل کی جس میں ہدایت اور نور تھا اور اللہ تعالےٰ کے فرمانبردار انبیاء اس کے مطابق یہود کے فیصلے کیا کرتے تھے۔

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام کے بعد جو نبی مبعوث ہوئے وہ کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئے تھے اور نہ ہی کوئی نیا دین سکھانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے بلکہ ان کے آنیکا مقصد صرف یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو تورات کی تعلیم کے مطابق عمل کرانے کا فریضہ

ادا کریں اور انہیں ضلالت و گمراہی کے اندھیروں سے نکالیں
پس یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ قرآن مجید چونکہ ایک مکمل کتاب ہے
اس لئے اب کوئی نبی نہیں آسکتا۔ تورات بھی بنی اسرائیل کے لئے
ایک مکمل کتاب تھی جیسا کہ اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ

تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ
شَيْءٍ ۔ (انعام آیت ۱۵۵)

لیکن پھر بھی ان میں پے درپے نبی آئے۔

(۱۶)

یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کو مثیل موسےٰ بھی قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ ہے:۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ
كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (مزمل آیت ۱۶)

یعنی بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک ایسا رسول بھیجا ہے
جو تم پر نگران ہے جس طرح کہ ہم نے فرعون کی طرف ایک
رسول بھیجا تھا۔

پس ضرور تھا کہ موسےٰ علیہ السلام کی امت کی طرح اللہ تعالیٰ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر بھی نظرِ رحمت فرماتا چنانچہ اس نے اُمت
محمدیہ کو بھی بشارت دی کہ اس میں بھی بنی اسرائیل کی طرح ایسے
اشخاص پیدا ہوتے رہیں گے جو دین کے استحکام کا موجب ہوں گے

آیتِ کریمہ یہ ہے :-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (نور آیت ۵۶)

یعنی تم میں سے پوری طرح ایمان لانے والوں اور مناسب حال عمل کرنے والوں سے خدا کا وعدہ ہے کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور جو دین اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے وہ ان کے لئے اسے مضبوطی سے قائم کر دے گا۔ اور ان کے خوف کی حالت کو امن کی حالت سے بدل دیگا۔

اور رسُولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ان خلفاء کے حق میں یہ دُعا فرمائی :-

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِيَ الَّذِيْنَ يَأْتُوْنَ مِنْ بَعْدِي الَّذِيْنَ يَرْوُوْنَ اَحَادِيْثِيْ وَسُنَّتِيْ وَيُعَلِّمُوْنَهَا النَّاسَ (الجامع الصغیر للسیوطی)

یعنی اے میرے اللہ میرے خلفاء پر رحم کر جو میرے بعد آئیں گے اور میری باتیں اور میری سُنّت دنیا کے سامنے

بیان کریں گے اور میری باتیں اور میری سنّت ہی دُنیا
کو سکھائیں گے۔

غور فرمائیے کہ خدائے اسلام خلفاء کے بارے میں وعدہ کر رہا ہے اور پیغمبرِ اسلام ان خلفاء کے حق میں دُعا۔ تو یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ اُمتِ مسلمہ کے باغ کی آبیاری کے لئے آئندہ کوئی مردِ خدا ظاہر نہیں ہوگا؟ کیا بنی اسرائیل کی طرح ہمارے دلوں کے پودے آسمانی آبپاشی کے محتاج نہیں؟

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ خلیفہ کا لفظ قرآن کریم میں نبی کے لئے بھی استعمال ہُوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ داؤد علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے:۔

يَا دَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ ۔

(ص آیت ۲۷)

اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔

پس یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ خلیفہ کا لفظ غیر نبی کے لئے ہی استعمال ہوتا ہے۔

(۱۷)

یاد رکھنا چاہیئے کہ آیت کریمہ:۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی اور آپ ہی اس کا

صیحح مفہوم جانتے تھے اگر آیت موصوفہ کا یہ مطلب ہوتا کہ آئندہ کوئی مامور نہیں آسکتا تو آپؐ ہرگز یہ ارشاد نہ فرماتے :-

لَنْ تَهْلِكَ أُمَّةٌ أَنَا فِي أَوَّلِهَا وَالْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ فِي أٰخِرِهَا ۔ (جامع الصغیر للسیوطی جلد۲ مٹ۱۰۶)

یعنی وہ اُمّت ہرگز ہلاک نہیں ہوسکتی جس کے شروع میں مَیں ہوں اور جس کے آخر میں مسیح موعود ہوگا۔

مذکورہ بالا حدیث میں جس آنے والے موعود کی طرف اشارہ کیا گیا ہے صحیح مسلم میں اس کے متعلق

"اَوْحَى اللّٰهُ اِلٰی عِیْسٰی"

کے الفاظ بھی آئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ موعود مورد وحی بھی ہوگا اور پھر مسلم کی اسی حدیث میں اس کو چار دفعہ[1] "نبی اللہ" بھی کہا گیا ہے۔

---

[1] حدیث کے الفاظ یہ ہیں :-

يُحْصَرُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى ۔ نبی اللہ عیسےٰ محصور ہوجائیں گے۔
فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى ۔ نبی اللہ عیسیٰ خدا کی طرف رجوع کریں گے۔
ثُمَّ يَهْبِطُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى ۔ پھر نبی اللہ عیسےٰ ایک خاص مقام پر اتریں گے۔
فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى ۔ نبی اللہ عیسےٰ جنابِ الٰہی کی طرف متوجہ ہوں گے۔
(مسلم باب ذکر الدجال)

جس سے ظاہر ہے کہ وہ موعود نبی بھی ہوگا۔ اور ابنِ ماجہ کی حدیث

"لَا مَهْدِيَ اِلَّا عِيْسٰى"

میں اُسے مہدی اور عیسٰی بھی قرار دیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ موعود ایک لحاظ سے مہدی ہوگا اور ایک لحاظ سے عیسٰی۔ اور صحیح بخاری میں اس کے متعلق:۔

اِمَامُكُمْ مِّنْكُمْ

کے الفاظ بھی آئے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ وہ موعود امّتِ مسلمہ کا ہی ایک فرد اور محمد رسول اللہ کا ہی روحانی فرزند ہوگا اور قرآن کریم کو ہی دستور العمل قرار دے گا۔

اور آیت کریمہ:۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ۔

(واقعہ آیت ۴۰-۴۱)

سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اسلام کی نشأۃِ اُولیٰ کے دَور میں اشاعتِ اسلام کے لئے صحابہ کرام کے مقدس گروہ کو کھڑا کیا گیا تھا اسی طرح مسیح موعود کے زمانہ میں بھی جو اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کا دَور ہے ایک

لہ علامہ اقبال کا مشہور شعر ہے:۔

ہو چکا گو قوم کی شانِ جلالی کا ظہور
ہے مگر باقی ابھی شانِ جمالی کا ظہور (بانگِ درا)

"شانِ جمالی" کی ترکیب میں اسی بابرکت دَور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

دوسرا گروہ کھڑا کیا جائے گا اور اس سے بھی وہی کام لیا جائے گا جو صحابہ کرام سے لیا گیا تھا۔ اور آیت کریمہ

وَ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (جمعہ آیت ۴)

سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آنے والا مسیح اور مہدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی بروز ہوگا اور نہ آپ کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ہی آئے گا۔ پس خدا اور اس کے رسول کے نزدیک اگر

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ

کا مطلب وہی ہوتا جو ہمارے مخالف بیان کرتے ہیں تو قرآن اور حدیث میں اس قسم کی تصریحات نہ پائی جاتیں اور دنیا میں ایسے حالات پیدا نہ ہوتے جو کسی مامور کی بعثت کے مقتضی ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت محمدیہ کو یہ جانفزا مژدہ بھی نہ سنایا جاتا:۔

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا

(نساء آیت ۷۰-۷۱)

یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے اس رسول کی اطاعت کرینگے وہ ان لوگوں میں شامل ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاء۔ صدیقین۔ شہداء اور صالحین میں اور یہ

حضرات بہت ہی اچھے رفیق ہیں۔ یہ فضل خدا کی طرف سے
ہے اور وہ خوب علم رکھنے والا ہے۔

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو نبوت کے انعام سے محروم نہیں رکھنا چاہتا۔ البتہ اب یہ انعام دنیا کو اسلام کے ذریعہ سے ہی ملے گا۔ اور وہی شخص اس کو حاصل کر سکے گا جس کے اعمال پر اتباعِ نبوی کی مُہر ہو گی۔ کیونکہ خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے تمام انبیاء میں سے یہ خصوصیت ہمارے آقا فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہے کہ آپؐ کی اطاعت سے ایک شخص مقامِ نبوت پر بھی فائز ہو سکتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

ہم ہوئے خیرِ اُمم تجھ سے ہی اے خیرِ رُسل
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے
(دُرِّ ثمین)

فیضانِ ربوبیت کے منکرین سے چند سوال

فیضانِ ربوبیت کے منکرین سے ہمارا پہلا سوال تو یہ ہے کہ جب ربوبیتِ الٰہی کی فیض گستری کسی ایک زمانہ سے مخصوص نہیں بلکہ اس کا دامن ازل سے لے کر ابد تک پھیلا ہوا ہے تو پھر یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد فیضانِ ربوبیت میں تعطل پیدا ہو گیا ہے اور آپؐ کے بعد رُوحانی ارتقاء کے تمام راستے مسدود ہو گئے ہیں اور ذوقِ عبودیت کی تکمیل کے لئے کوئی دروازہ کھلا نہیں رہا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا خاتمیتِ محمدیؐ اپنے اندر تکوینی تاثیر نہیں رکھتی؟ اگر تکوینی تاثیر رکھتی ہے تو کیا آپؐ کے فیض سے آئندہ کوئی ایسا کامل انسان پیدا نہیں ہو سکتا جو معاشرہ کی سربلندی کا موجب ہو؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ کیا گزشتہ زمانہ میں روحانی انقلابات غیر معمولی شخصیتوں کے ذریعہ سے نہیں آتے رہے؟ اگر غیر معمولی شخصیتوں کے ذریعہ سے ہی آتے رہے ہیں تو کیا آئندہ روحانی انقلاب کے لئے کسی غیر معمولی شخصیت کی ضرورت نہیں؟

چوتھا سوال یہ ہے کہ کیا لوگوں کے اذہان اور طبائع میں اختلاف

ہونے کی وجہ سے اختلافِ رائے ناگزیر نہیں ؟ اگر ناگزیر ہے تو کیا اُمت میں اختلاف پیدا ہونے کی صورت میں کسی ایسے حق پرست منصف کی ضرورت نہیں جو وحیٔ الٰہی کی رہنمائی میں حکم اور عدل کے فرائض سرانجام دے ؟

پانچواں سوال یہ ہے کہ کیا حل شُدہ مسائل ایک عرصہ کے بعد قابلِ حل نہیں ہو جاتے ؟ اگر ہو جاتے ہیں تو کیا ان کے حل کے لئے کسی عقدہ کشا کی ضرورت نہیں ؟

چھٹا سوال یہ ہے کہ کیا اب نئے مسائلِ حیات پیدا نہیں ہو سکتے ؟ اگر ہو سکتے ہیں تو کیا قرآنِ حکیم سے ان کا حل پیش کرنے کے لئے کسی معیاری شخصیت کی ضرورت نہیں ؟

ساتواں سوال یہ ہے کہ قرآنِ مجید نے جو اوصاف نبی کے بیان کئے ہیں کیا اب دنیا واقعی ان سے مستغنی ہو چکی ہے ؟ مثلاً

- نبی موردِ وحی ہوتا ہے کیا اب دُنیا کو آسمانی رہنمائی کی ضرورت نہیں ؟
- نبی داعی ہوتا ہے کیا اب دنیا کو خدا کی طرف بلانے کی ضرورت نہیں ؟
- نبی مبلّغ ہوتا ہے کیا اب دنیا کو پیغامِ حق پہنچانے کی ضرورت نہیں ؟
- نبی ہادی ہوتا ہے کیا اب دنیا کو راہِ ہدایت دکھانے کی ضرورت نہیں ؟
- نبی مصلح ہوتا ہے کیا اب دنیا کو اصلاحِ نفوس کی ضرورت نہیں ؟
- نبی بشیر ہوتا ہے کیا اب دنیا کو بشارتوں کی ضرورت نہیں ؟
- نبی نذیر ہوتا ہے کیا اب دُنیا کو بداعمالیوں کے عواقب سے ڈرانے

کی ضرورت نہیں ؟

- نبی محی ہوتا ہے کیا اب دنیا کو زندگی بخش انفاس کی ضرورت نہیں ؟
- نبی منجی ہوتا ہے کیا اب دنیا کو شیطانی وساوس سے نجات دلانے کی ضرورت نہیں ؟
- نبی مزکی ہوتا ہے کیا اب دنیا کو فکر و عمل کی پاکیزگی کی ضرورت نہیں ؟
- نبی معلم ہوتا ہے کیا اب دنیا کو درس معرفت کی ضرورت نہیں ؟
- نبی نور ہوتا ہے کیا اب دنیا کو باطل کے اندھیرے سے نکالکر حق کی روشنی میں لانے کی ضرورت نہیں ؟
- نبی اسوۂ حسنہ ہوتا ہے کیا اب دنیا کو تعمیر کردار کے لئے کسی کامل نمونہ کی ضرورت نہیں ؟
- نبی امام ہوتا ہے کیا اب دنیا کو مرکزیت کے قیام کے لئے کسی امام کی ضرورت نہیں ؟

الغرض قرآن مجید نے نبی کے جو اوصاف بیان کئے ہیں جب دنیا اُن سے کسی وقت بھی مستغنی نہیں ہو سکتی تو پھر یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ نبی کی پہلے زمانہ میں تو ضرورت تھی لیکن ہمارے زمانہ میں اس کی ضرورت نہیں ۔ اگر خدا وہی ہے وہی اس کی صفات ہیں ۔ وہی ہم ہیں وہی ہماری ضروریات ہیں تو نبوت کا دروازہ بند کیسے ہو گیا؟ آخر نبوت ظلمت نہیں نور ہے ۔ گمراہی نہیں ہدایت ہے ۔ لعنت نہیں رحمت ہے ۔ سزا نہیں انعام ہے تو پھر اس کے انقطاع پر اصرار

(دیکھو حاشیہ صفحہ ۱ پر)

کیوں؟ ـــ ۵

ان سادہ مزاجوں سے کوئی اتنا تو پوچھے
فیضانِ خداوند بھی ہوتے ہیں کبھی بند (حسن رہتاسی)

قرآنِ کریم میں اللہ تعالےٰ پیغمبروں کے بارے میں فرماتا ہے :۔

لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ۔ (بقرہ آیت ۲۸۶)

یعنی رسولوں میں کوئی فرق نہیں وہ اپنی اصل کے لحاظ سے ایک ہی ہیں۔

اور حدیث میں آتا ہے:۔

اَلْاَنْبِیَاءُ اِخْوَۃٌ لِعَلَّاتٍ اُمَّھَاتُھُمْ شَتّٰی دِیْنُھُمْ وَاحِدٌ۔ (بخاری)

---

۵ حاشیہ ص۱۰۳ :۔ حضرت امام فخرالدین رازی لکھتے ہیں :۔

وَلَمَّا کَانَ الْخَلْقُ مُحْتَاجِیْنَ اِلَی الْبِعْثَۃِ وَالرَّحِیْمُ الْکَرِیْمُ قَادِرًا عَلَی الْبِعْثَۃِ وَجَبَ فِیْ کَرَمِہٖ وَرَحْمَتِہٖ اَنْ یَّبْعَثَ الرُّسُلَ اِلَیْھِمْ۔

(تفسیر کبیر جلد ۱۱ ص۱۹۵)

جب مخلوق انبیاء کی محتاج ہے اور رحیم وکریم خدا بعثت پر قادر بھی ہے تو اس کے کرم اور رحمت کی رو سے واجب ہوا کہ وہ ان کی طرف رسول بھیجے ؞

یعنی انبیاء ایسے بھائی ہیں جن کا باپ ایک ہے اور مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے۔

غور فرمایئے جب تمام پیغمبر اپنی اصل کے لحاظ سے ایک ہیں اور ان کا دین بھی ایک ہی ہے تو اگر مسیح موعود بحیثیت نبی مبعوث ہو۔ تو کیا فرق پڑتا ہے؟ ہاں چونکہ شریعت مکمل ہو چکی ہے اس لئے بیشک ایسا نبی تو نہیں آسکتا جو نئی شریعت لانے کا دعویدار ہو۔ اور احکامِ قرآنی کو کالعدم قرار دے لیکن بغیر شریعت کے نبی آسکتا ہے لیکن وہی جس کے اعمال پر اتباعِ نبوی کی مُہر ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے روحانی ترقی کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں نہ کہ کم۔ ہاں فرق ہے تو یہ کہ جس طرح کارخِ عالم کی تکمیل کے بعد اسی عالمِ آب وگِل کے اندر ایک نئے مادی ارتقاء کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے اسی طرح قصرِ دین کی تکمیل کے بعد دنیائے اسلام کے اندر روحانی ارتقاء کا نیا دروازہ کھل گیا ہے۔ مگر اس میں وہی شخص داخل ہو سکتا ہے۔ جو قرآنی تعلیمات کو مشعلِ راہ بنائے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو اپنے لئے موجبِ نجات سمجھے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اپنی پُرمعارف تصنیف حقیقۃ الوحی میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"اسلام کا خدا کسی پر اپنے فیض کا دروازہ بند نہیں کرتا

بلکہ اپنے دونوں ہاتھوں سے بُلا رہا ہے کہ میری طرف آؤ
اور جو لوگ پُورے زور سے اس کی طرف دَوڑتے ہیں۔
ان کے لئے دروازہ کھولا جاتا ہے"

(حقیقۃ الوحی صلـ ۶۱-۶۲)

تنویرِ رسالت

پندِ رُومی

مکر کُن در راہِ نیکو خدمتے
تا نبوّت یابی اندر اُمّتے

یعنی نیکی کی راہ میں خدمت کی ایسی تدبیر کر کہ تجھے
امّت کے اندر نبوّت مل جائے۔

(مثنوی مولٰنا رُوم دفتر اوّل صفحہ ۵۳)

تنویرِ رسالت

۱۹۲۱ء کا ذکر ہے کہ جناب پیر بخش صاحب ایڈیٹر رسالہ تائیدِ اسلامؑ سے میرا لاہور میں مباحثہ ہوا جو تین دن جاری رہا۔ موضوعِ بحث امکانِ نبوّت تھا۔ تیسرے روز جناب شمس الدین صاحب شائق مباحثہ کے صدر مقرر ہوئے۔ انہوں نے یہ دیکھکر کہ غیر احمدی مناظر۔ احمدی مناظر کے پیش کردہ دلائل کا جواب دینے سے قاصر ہے مُباحثہ کو اسی روز ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ ایڈیٹر صاحب نے مباحثہ کے دَوران جو دلائل انقطاعِ نبوّت کے سلسلہ میں پیش کئے تھے ان کے جوابات درجِ ذیل ہیں:۔

انقطاعِ نبوت کے دلائل کا جائزہ

قولہٗ ۱

آیتِ کریمہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔

(احزاب آیت ۴۱)

میں آنحضرتؐ کو خاتم النبیّین قرار دیا گیا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ آپؐ نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔ لہذا آپؐ کے

بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔

اقول

یاد رکھنا چاہیئے کہ خاتم النبیین کا معنے نبیوں کا ختم کرنیوالا کرنا۔ قرآن۔ حدیث۔ مشاہدہ اور لغت چاروں کے خلاف ہے۔

قرآن کے خلاف اس لئے کہ اس میں واضح طور پر آئندہ ماموروں کے آنے کی خبر دی گئی ہے۔ مثلاً سورۂ حج میں آتا ہے:۔

۱۔ اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ (حج آیت ۷۶)

یعنی اللہ تعالےٰ اپنے رسول منتخب کرتا ہے اور کرتا رہیگا فرشتوں سے بھی اور انسانوں سے بھی اور وہ بہت دعائیں سننے والا اور حالات پر خوب نظر رکھنے والا ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ قیامت تک فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے اپنے رسول منتخب کرتا رہیگا۔ کیونکہ یَصْطَفِیْ مضارع کا صیغہ ہے جو حال اور مستقبل دونوں زمانوں کے لئے آتا ہے اور لفظ رُسُل جمع ہے جو ایک سے زیادہ رسولوں کے اصطفا کا متقاضی ہے۔ پس اس سے مراد اکیلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہو سکتے۔

۲۔ سورۂ عنکبوت میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِہِ النُّبُوَّۃَ۔ (عنکبوت آیت ۲۸)

یعنی ہم نے نبوّت کو ابراہیم کی ذرّیت سے مخصوص کردیا۔
اور چونکہ ابراہیم علیہ السلام کی ذرّیت کا سلسلہ قیامت تک ممتد ہے، اس لئے نبوّت کا سلسلہ بھی قیامت تک جاری ماننا پڑے گا اور اگر کہا جائے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نبوّت ختم ہوگئی ہے تو دوسرے لفظوں میں اس کا یہ مطلب ہوگا کہ آپؐ پر ابراہیم علیہ السلام کی ذرّیت کا خاتمہ ہوگیا اور یہ بالبداہت غلط ہے کیونکہ انکی ذریت کا سلسلہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک محدود نہیں بلکہ قیامت تک وسیع ہے جس سے ظاہر ہے کہ نبوّت کا سلسلہ بھی قیامت تک جاری رہے گا۔

۳۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کے متعلق سورۃ بقرہ میں آتا ہے:-

اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ہ (البقرہ آیت ۱۲۵)

یعنی اللہ تعالےٰ نے ابراہیم کو مختلف ابتلاؤں میں سے گزارنے کے بعد فرمایا کہ میں تجھے لوگوں کا امام مقرر کرنے والا ہوں۔ انہوں نے عرض کی کہ میری ذریت میں سے بھی امام بنائیو تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ہاں بناؤں گا مگر یہ منصب ظالموں کو نہیں ملیگا۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ منصب امامت سے محرومی کا باعث ظالم ہونا ہے تو کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک

ابراہیم علیہ السلام کی ساری کی ساری ذرّیت ظالم ہوگی ؟ پس
جب ابراہیم علیہ السلام کی ذرّیت کے متعلق یہ باور نہیں کیا جاسکتا
کہ وہ قیامت تک ساری کی ساری ظالم ہوگی تو پھر اس سے بھی
انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جو ظالم نہیں ہونگے ان کو یہ منصب ضرور ملیگا
۴۔ اللہ تعالےٰ سورۃ اعراف میں تمام بنی آدم کو تاکید فرماتا ہے:۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

(اعراف آیت ۳۶)

یعنی اے آدمزادو! اگر تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول آئیں جو تم کو میری آیات سُنائیں تو انہیں مان لینا! اور جو لوگ تقویٰ اختیار کرینگے اور اپنی اصلاح کریں گے ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

اس آیت میں چونکہ بنی آدم سے خطاب ہے اور بنی آدم کا سلسلہ آدم سے لے کر قیامت تک ممتد ہے۔ اس لئے ماننا پڑیگا کہ رسولوں کا سلسلہ بھی قیامت تک جاری رہے گا۔

۵۔ سورۃ مومنون میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ

اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّ اَنَا رَبُّکُمْ فَاتَّقُوْنِ۔

(مومنون آیت ۵۲-۵۳)

یعنی اے رسولو۔ پاک چیزیں کھایا کرو۔ اور نیک عمل کیا کرو اور مَیں جانتا ہوں جو تم کرتے ہو۔ اور یہ تمہاری اُمّت ہے ایک ہی اُمّت اور مَیں ہی تمہارا رب ہوں پس مجھے ہی مشکلات میں ڈھال بنایا کرو۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ اس آیت میں الرُّسُل کا لفظ آیا ہے جو جمع ہے، اور ایک سے زیادہ رسولوں کے وجود کا متقاضی ہے جس سے ظاہر ہے کہ بعض رسول آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی آنیوالے ہیں۔ جو قرآنی شریعت کے متبع ہونگے اور اس کی تجدید کے لئے آئیں گے۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ نزولِ قرآن کے وقت آنحضرتؐ کو بجائے یَاَیُّھَا الرَّسُوْلُ کے (جیسا کہ آپؐ کو قرآن میں کئی جگہ ان الفاظ سے مخاطب کیا گیا ہے)، یَاَیُّھَا الرُّسُلُ سے جو جمع کا صیغہ ہے مخاطب کیا جاتا۔ پس لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہ وہ رسول ہیں جو آنحضرتؐ کے بعد آئیں گے اور ان سب کا آنا اُمّتِ محمدیہ میں ہوگا۔ جیسا کہ وَاِنَّ ھٰذِہٖ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً میں ان سب کے لئے ایک ہی اُمّت قرار دی گئی ہے۔

اور الرُّسُل سے مراد گذشتہ رسول اس لئے نہیں ہو سکتے کہ ان کی ایک اُمّت نہ تھی بلکہ الگ الگ اُمّتیں تھیں اور بلحاظ مذہب

الگ الگ گروہ تھے۔ جن کو ایک امّت نہیں کہا جا سکتا۔ پس وُہ امّت واحدہ امّتِ محمدیہ ہی ہے جس کی طرف یہ رُسُل عند الضرورت آئیں گے۔

مذکورہ بالا آیات سے صاف ظاہر ہے کہ نبوّت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوُا بلکہ قیامت تک جاری ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اب جو بھی رسُول مبعوث ہوگا وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اُمتی ہوگا اور آپؐ کے دین کی خدمت کے لئے آئے گا۔ اور اگر کسی مامور کا آنا آیت خاتم النبیّین کے مفہوم کے خلاف ہوتا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیّین کا منصب عطا کرنے والا علیم وخبیر خدا قرآن میں آئندہ ماموروں کے آنے کی خبر ہرگز نہ دیتا۔ کیا اللہ تعالےٰ کے قول اور فعل میں تضاد واقع ہو سکتا ہے؟ حاشا وکلّا۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں

اور یہ معنے حدیث کے خلاف اس لئے ہیں کہ اس میں صاف پیشگوئی موجود ہے کہ آخری زمانہ میں ایک مسیح آئے گا جو نبی اللہ ہوگا اور اس پر وحی نازل ہوگی (صحیح مسلم) اسی طرح اس موعود کے متعلق یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس میں عیسوی صفات بھی ہوں گی اور مہدوی صفات بھی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

یُوْشِكُ مَنْ عَاشَ مِنْكُمْ اَنْ یَّلْقٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اِمَامًا مَّهْدِیًّا وَّحَكَمًا عَادِلًا۔

(مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۱۱)

یعنی جو تم میں سے زندہ رہے گا وہ عیسٰی بن مریم کو ملیگا

جو امام مہدی اور حکم عادل ہو گا۔

اور پھر حدیث میں یہ بھی تصریح ہے کہ وہ موعود امتِ مسلمہ کا ہی ایک فرد اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ہی روحانی فرزند ہوگا نہ کہ کسی دوسری امت کا فرد۔ بخاری کی روایت ہے:۔

"کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ۔ (بخاری)

یعنی تمہارا اس دن کیا حال ہوگا جس دن ابنِ مریم تم میں نازل ہوگا۔ اور تم جانتے ہو کہ ابنِ مریم کون ہے؟ وہ تمہارا ہی ایک امام ہوگا اور تم میں سے ہی پیدا ہوگا۔

اسی طرح حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ امتِ محمدیہ کا نبی امتِ محمدیہ میں سے ہوگا:۔

قَالَ مُوْسٰی رَبِّ اجْعَلْنِیْ نَبِیَّ تِلْکَ الْاُمَّۃِ قَالَ نَبِیُّھَا مِنْھَا۔ (الخصائص الکبریٰ للسیوطی ص۱۲)

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ کے حضور عرض کی کہ مجھے امتِ محمدیہ کا نبی بنا دیجئے تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اس امت کا نبی اسی امت میں سے ہوگا۔

مذکورہ بالا احادیث سے بھی ظاہر ہے کہ آئندہ امتی نبی آسکتا ہے بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خود ایک امتی نبی کی پیشگوئی فرما رہے ہیں جو ایک لحاظ سے مہدی ہوگا اور ایک لحاظ سے عیسیٰ۔ بہرکیف

آیت خاتم النبیین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی اور آپ ہی اس کا صحیح مفہوم جانتے تھے۔ اگر آیت خاتم النبیین کا مطلب وہی ہوتا جو ہمارے مخالف بیان کرتے ہیں تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے بعد کسی نبی کے آنے کی پیشگوئی ہرگز نہ فرماتے۔

اور یہ معنے مشاہدہ کے خلاف اس لئے ہیں کہ امتِ مسلمہ میں ہر طرف زندقہ والحاد کا دَور دَورہ ہے اگر آئندہ ماموروں کا سلسلہ بند کر دیا گیا تھا تو اس کا نتیجہ کم ازکم یہ تو ہوتا کہ مسلمان ضلالت و گمراہی سے محفوظ ہو جاتے نہ ان کے عقائد بگڑتے اور نہ ہی ان کے اعمال خراب ہوتے اور وہ ویسے ہی متقی اور پرہیزگار نظر آتے جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے لیکن ایسا نہیں بلکہ ہر طرف اخلاقی و رُوحانی تنزل کے آثار نمایاں ہیں اور قوم کا درد رکھنے والے مسلمان پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ؎

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دُعا ہے
اُمّت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
وہ دین ہوئی بزمِ جہاں جس سے چراغاں
اب اسکی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہے (مولینا حالی)

اور علامہ اقبال مسلمانوں کی حالتِ زار کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود (بانگ درا)

غور فرمائیے کیا مسلمانوں کی یہ زبوں حالی بجائے خود اس امر کا ثبوت نہیں کہ ماموروں کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا اور نہ ہونا چاہیئے؟ اور یہ معنے لغت کے خلاف اس لئے ہیں کہ لغوی لحاظ سے خاتَم بفتحہ تاء کے معنے مُہر کے ہیں نہ کہ ختم کرنے والا کے۔ کیونکہ یہ اسمِ آلہ ہے نہ کہ اسم فاعل اور خاتَم جب کسی جمع کے صیغے کی طرف مضاف ہو۔ مثلاً خاتم الشعراء۔ خاتم المصنفین اور خاتم الاولیاء وغیرہ تو اس کے معنے عربی زبان کے محاورہ میں افضل کے ہوتے ہیں پس آیت کریمہ :۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ۔

کے یہ معنے نہیں کہ محمد رسول اللہ نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔ اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ بلکہ یہ معنے ہیں کہ آپ بحیثیت محمدؐ جسمانی لحاظ سے تو کسی مرد کے باپ نہیں مگر بحیثیت رسول رُوحانی لحاظ سے ضرور باپ ہیں لیکن یہاں یہ سوال اُبھر کر سامنے آجاتا ہے کہ بحیثیت رسول تو ہر رسول ہی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے۔ پھر اس معاملہ میں آپؐ کی کیا خصوصیت ہوئی؟ تو اس کا جواب خاتم النبیّن کے الفاظ میں دیا گیا ہے کہ آپ صرف رسول ہی نہیں بلکہ رسولوں کے سرتاج ہیں اور آپؐ کی شانِ ابوت زمانی اور مکانی لحاظ سے ہی نہیں[1]

[1] حضرت امام فخرالدین رازی لکھتے ہیں :۔

(دیکھو اگلے صفحہ پر)

بلکہ قوتِ افاضہ کے لحاظ سے بھی تمام انبیاء کی شانِ ابوت سے بڑھکر ہے۔ اگر پہلے نبیوں کے فیض سے ان کی رُوحانی اولاد صدیقیت کے مرتبہ تک پہنچ سکتی تھی تو آپ کے فیض سے آپ کی رُوحانی اولاد مقامِ نبوّت پر بھی فائز ہو سکتی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

چنانچہ دوسرے رسولوں کے متعلق تو سورۂ حدید میں صرف یہ تصریح ہے :۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔

(حدید آیت ۲۰)

یعنی جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی اپنے رب کے حضور صدیقوں اور شہیدوں کا درجہ پانے والے ہیں۔

لیکن سرورِ کائنات محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق سورۂ نساء

حاشیہ ص۱۱۷

اَلَا تَرٰى اَنَّ رَسُوْلَنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا كَانَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ كَانَ اَفْضَلَ الْاَنْبِيَآءِ۔

(تفسیر کبیر جلد ۶ ص۳۱)

دیکھو ہمارے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّین ہوئے تو سب نبیوں سے افضل قرار پائے۔

میں یہ ارشاد ہے:۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ (آیت ۷۰)

یعنی جو لوگ اللہ کی اور اس کے اس رسول کی اطاعت کرینگے وہ اُن لوگوں میں شامل ہونگے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدّیقین اور شہدا اور صالحین ہیں اور یہ حضرات بہت ہی اچھے رفیق ہیں۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے انسان نہ صرف صالح۔ شہید اور صدّیق بن سکتا ہے بلکہ نبوّت کا مقام بھی حاصل کر سکتا ہے۔ (صلے اللہ علیہ وسلم)

الغرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان معنوں میں خاتم النبیّین نہیں کہ آئندہ آپؐ کے ذریعہ کسی کو کوئی روحانی انعام حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ آپ ان معنوں میں خاتم النبیّین ہیں کہ تمام مراتبِ کمال آپ پر ختم ہیں اور جو اوصاف پہلے نبیوں میں جزوی طور پر پائے جاتے تھے وہ آپ میں مجموعی طور پر پائے جاتے ہیں اور آپ کا دائرۂ استعداد اور قوتِ افاضہ تمام نبیوں کے دائرۂ استعداد اور قوّتِ افاضہ سے بڑھ کر ہے۔ اگر پہلے نبیوں کے فیض سے ان کی رُوحانی اولاد

صدیقیت کے مرتبہ تک پہنچ سکتی تھی تو آپ کے فیض سے آپ کی روحانی اولاد مقامِ نبوّت پر بھی فائز ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا:۔

قُوْلُوْا اِنَّهٗ خَاتَمُ الْاَنْبِيَاۤءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ۔ (تکملہ مجمع البحار ص۸۵)

یعنی یہ تو کہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّین ہیں لیکن یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

قولہٗ ۲

آیت کریمہ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ...... الخ

ہیں لفظ مَعَ آیا ہے نہ کہ مِنْ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آنحضرت کی اطاعت کریں گے وہ نبیوں کے ساتھ ہوں گے مگر خود نبی نہ ہوں گے۔

اقول

جواباً عرض ہے کہ اگر مَعَ کے ان معنوں کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر مِنَ النَّبِيّٖنَ کے بعد کے تینوں معطوف یعنی وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۤءِ وَالصّٰلِحِيْنَ بھی اپنے معطوف علیہ کے حکم میں ہونے کی وجہ سے مَعَ کے انہیں معنوں میں قرار دیئے جائیں گے اور اس صورت میں آیت کا ماحصل یہ ہوگا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والے صدیقوں کے ساتھ ہوں گے مگر خود صدّیق

نہ ہوں گے وہ شہیدوں کے ساتھ ہوں گے مگر خود شہید نہ ہونگے اور وہ صالحین کے ساتھ ہوں گے مگر خود صالح نہ ہوں گے اور یہ مفہوم بالبداہت غلط اور مشاہدات کے خلاف ہے۔ بدیں وجہ یہی ماننا پڑے گا۔ کہ اس آیت میں لفظ مَعَ بمعنی مِنْ ہی استعمال ہوا ہے جیساکہ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (آل عمران آیت ۱۹۴) کی آیت میں مَعَ بمعنی مِنْ استعمال کیا گیا ہے اور یہاں مَعَ کا یہ معنٰے نہیں کہ جب نیک لوگوں کی وفات ہو تو ہمیں بھی ان کے ساتھ ہی وفات دیدے۔ بلکہ یہ معنٰے ہے کہ ہمیں بھی نیک بنا کر وفات دے۔ الغرض مَعَ کا لفظ آیت موعودہ میں نہ زمانی معیت کے معنوں میں آیا ہے اور نہ ہی مکانی معیت کے معنوں میں۔ بلکہ رتبی معیت کے معنوں میں وارد ہوا ہے۔

قولہٗ ۳

اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے کوئی نبی بن سکتا تو اس وقت تک ہزاروں نبی بن گئے ہوتے لیکن جب ایسا وقوع میں نہیں آیا تو مَعَ کے معنے مِنْ کرنا درست نہیں۔

اقول

یاد رکھنا چاہیئے کہ نبوّت اور بادشاہت شخصی انعام نہیں بلکہ قومی انعام ہے اور یہ انعام قوم میں سے جب کسی ایک فرد کو مل جائے

توساری قوم کو ہی متصوّر ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَآءَ وَجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا۔ (مائدہ آیت ۲۱)

یعنی تم اس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے میری قوم تم اللہ کے اس انعام کا شکر کرو جو اس نے اس صورت میں تم پر کیا کہ اس نے تم میں نبی مبعوث کئے اور تمہیں بادشاہ بنایا۔

اب دیکھئے اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام نبوّت اور بادشاہت کو قومی انعام قرار دے رہے ہیں اور اپنی قوم کو شکرِ نعمت کی تلقین فرما رہے ہیں۔ پس آیتِ کریمہ

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ۔

میں جس انعام کا وعدہ دیا گیا ہے اس کا مقتضاء یہ نہیں کہ امّت کا ہر فرد نبی بن جائے۔ بلکہ اس کا منشاء یہ ہے کہ بوقتِ ضرورت امّت کا کوئی نہ کوئی فرد نبوّت کے انعام سے ضرور نوازا جائیگا چنانچہ سُورۂ فاتحہ میں بھی صیغہ واحد کی بجائے جمع کا صیغہ اسی لئے استعمال کیا گیا ہے کہ یہ مشترکہ دُعا ساری قوم کے لئے فائدہ بخش

ثابت ہو اور اللہ تعالےٰ بوقتِ ضرورت جس کو مناسب سمجھے لوگوں کی اصلاح کے لئے کھڑا کردے۔ غرض نبوت کا انعام تو امت کو مل سکتا ہے لیکن اللہ تعالےٰ کے قانون

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ۔ (انعام آیۃ ۱۲۵)

کی رعایت کے تحت ہی مل سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کی قدیم سے یہی سنت چلی آتی ہے۔ کہ وہ بلحاظ فطرت اور بلحاظ زمان اور بلحاظ مکان جس کو بھی اور جب بھی اور جس جگہ بھی مناسب سمجھتا ہے اپنی رسالت کے لئے منتخب کرلیتا ہے۔

قولہٗ ۴

آیت کریمہ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

(اعراف آیت ۳۶)

میں خطاب ہبوطِ آدم کے وقت کی اولادِ آدم سے ہے نہ کہ آنحضرت کے بعد کی اولادِ آدم سے لہذا اس آیت کو امکانِ نبوت کے سلسلہ میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔

اقول

یاد رہے کہ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ کا جملہ صاف بتا رہا ہے کہ وہ آنیوالے رسول صرف قرآن کریم کے احکام اور اس کی تعلیمات کو

ہی پیش کریں گے۔ چنانچہ یَقُصُّوْنَ کا قرینہ اسی پر دال ہے اور ان کی بعثت کی غرض تقوٰی اور اصلاح ہو گی جس پر فَمَنِ اتَّقٰی وَ اَصْلَحَ کے الفاظ دلالت کر رہے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ وہ رسول ہیں جو آنحضرت کی اُمّت میں آنے والے ہیں اور جو شریعتِ اسلامیہ کے قیام کے لئے مبعُوث ہونگے۔

اور یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ کے خطاب کو ہبوطِ آدم کے زمانہ کی اولادِ آدم سے مختص کرنا اِس وجہ سے بھی درست نہیں کہ حدیث میں نوح علیہ السلام کو اوّل الرُّسُل قرار دیا گیا ہے۔ (بخاری) پس ہبوطِ آدم کے وقت کی اولادِ آدم میں اتنے رسول کیسے تسلیم کئے جا سکتے ہیں جو الرُّسُل کے صیغۂ جمع کے مصداق ہوں۔ اور پھر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ جو رسول ہبُوطِ آدم کے زمانہ کے بعد مبعوث ہوئے ہیں کیا وہ اولادِ آدم میں مبعوث نہیں ہوئے؟ جب اولادِ آدم میں ہی مبعوث ہوئے ہیں تو یہ خطاب ہبوطِ آدم کے وقت کی اولادِ آدم سے کیسے مختص کیا جا سکتا ہے؟

اور اگر بنی آدم سے مراد آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت تک کی اولادِ آدم سمجھی جائے۔ بایں وجہ کہ ان میں رسول آتے رہے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ آگے کے لئے کیوں رُک گیا؟ کیا آنحضرت سے پہلے کی اولادِ آدم اس قابل تھی کہ خدا ان میں رسول بھیجتا رہے اور آنحضرت کے بعد کی اولادِ آدم اس قابل

نہیں رہی کہ خدا اس میں کوئی رسول بھیجے ؟ گویا آنحضرت سے پہلے کی اولادِ آدم تو یٰبَنِیٓ اٰدَمَ کے خطاب کی اس لئے مستحق ہے کہ اس میں رسول آتے رہے ہیں مگر آنحضرت کے بعد کی اولادِ آدم اس خطاب کی مستحق نہیں کیونکہ اس میں قیامت تک کوئی رسول نہیں آئیگا۔ تو اولادِ آدم وہی ہوئی جس میں رسول آیا کریں۔ سبحان اللہ! آنحضرت کے بعد کی اولادِ آدم رسولوں سے کیا محروم ہوئی یٰبَنِیٓ اٰدَمَ کے آسمانی خطاب سے بھی محروم ہو گئی۔ یا للعجب۔

اور اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کی اولادِ آدم اس لئے یٰبَنِیٓ اٰدَمَ کے خطاب میں شامل نہیں سمجھی جا سکتی کہ اس میں رسولوں کی بعثت نہیں ہونے کی۔ تو میں عرض کروں گا۔ کہ کیا بعثتِ انبیاء کے اسباب آنحضرت کے بعد کی اولادِ آدم میں وجود پذیر نہیں ہوں گے ؟ اگر نہیں ہونے تو بات بن سکتی ہے۔ لیکن جب اختلافات کی صورت میں اسباب موجود ہیں اور اختلافات کا وجود بعثتِ انبیاء کی علت کو ظاہر کرتا ہے اور یہ علت آنحضرت کے بعد کی اولادِ آدم میں متحقق ہے تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت کے بعد کی اولادِ آدم میں رسول مبعوث نہ ہوں ؟ جب رسولوں کی ضرورت ثابت ہے تو یہ شرطِ انصاف نہیں کہ یٰبَنِیٓ اٰدَمَ کے خطاب میں آنحضرت کے بعد کی اولادِ آدم کو شامل نہ سمجھا جائے۔

علاوہ ازیں یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ اس آیت سے پہلے بھی متعدد

آیات میں یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ کے الفاظ سے اولادِ آدم کو مخاطب کیا گیا ہے۔ مثلاً

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ
وَّکُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا وَلَا تُسۡرِفُوۡا۔ (اعراف آیت ۳۲)

یعنی اے آدمزادو! مسجدوں کے پاس زینت کے سامان
اختیار کر لیا کرو اور کھاؤ اور پیئو اور اسراف نہ کرو۔

تو کیا ان خطابات میں صرف وہی اولادِ آدم شامل ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہو گذری ہے؟ یا آپ کے بعد آنیوالی اولادِ آدم بھی شامل ہے؟ اگر کہا جائے کہ آنحضرت کے بعد کی اولادِ آدم بھی شامل ہے تو مَیں پوچھوں گا کہ کیوں اور کن وجوہ کی بناء پر شامل ہے؛ اگر ان احکامات کی وجہ سے شامل ہے جن پر عمل پیرا ہونے کی سب اولادِ آدم کو ضرورت ہے تو بوجہ ضرورت آنحضرت کے بعد کی اولادِ آدم میں نبی کیوں نہیں آسکتا؟ اگر کہا جائے کہ آنحضرت ہی قیامت تک کافی ہیں تو مَیں عرض کروں گا کہ باوجود کافی ہونے کے آپؐ نے یہ کیوں فرمایا کہ میری امت کے تہتّر فرقے ہو جائینگے اور رفعِ اختلافات کے لئے خدا کی طرف سے ایک مسیح موعود آئے گا جو حکم اور عدل ہو گا؟ جب آنحضرت اپنے کافی ہونے کے باوجود رفعِ اختلافات کے لئے ایک مسیح موعود کی پیشگوئی فرما چکے ہیں جو نبی اللہ ہو گا (صحیح مسلم) تو یہ کیسے باور کیا جائے کہ کافی

ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد قیامت تک کوئی رسول مبعوث نہیں ہو سکتا۔

قولہٗ ۵

کیا آنحضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل نہیں؟ اگر افضل ہیں تو کیا وجہ ہے کہ امتِ موسویہ میں تو پے درپے رسول آئے لیکن امتِ محمدیہ میں بقولِ شما اب تک صرف ایک ہی رسول مبعوث ہوا؟ کیا اس سے آنحضرت کی افضلیت پر حرف نہیں آتا؟

اقول

جواباً عرض ہے کہ امتِ موسویہ جیسا کہ تورات اور قرآن سے ثابت ہے۔ نہایت ہی نابنجار قوم تھی اور اس کی ایمانی اور عملی حالت بہت ہی ناقص تھی اس لئے ضروری تھا کہ اس کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و ہدایت کے لئے یکے بعد دیگرے رسول مبعوث کئے جاتے لیکن ملتِ اسلامیہ چونکہ خیر امت ہے اور اس میں خیر الرسل کی قوتِ قدسیہ کارفرما ہے اس لئے اس کو لمبے عرصہ تک کسی رسول کی ضرورت پیش نہ آئی۔

دوسرے۔ یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ بنی اسرائیل کے لئے جو نبی مبعوث ہوئے ان میں سے ایک بھی موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کے نتیجہ میں نبوت کے مقام پر فائز نہیں ہوا بلکہ ان سب کو نبوت کا انعام

براہِ راست خدا کی طرف سے ملا تھا لیکن اس کے بالمقابل جو نبی امّتِ محمدیہ میں مبعوث ہُوا ہے اس نے نبوّت کا انعام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے حاصل کیا ہے اس لئے اُس کے آنے سے خواہ وہ ایک ہی ہے بہرحال آنحضرت کی ہی افضلیت ثابت ہو گی۔ چنانچہ حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ خود اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"مَیں نے خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے اس نعمت سے کامل حصّہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی اور میرے لئے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا اگر مَیں اپنے سیّد و مولیٰ فخر الانبیاء اور خیر الورٰی حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کے راہوں کی پیروی نہ کرتا۔ سو مَیں نے جو کچھ پایا۔ اس پیروی سے پایا" (حقیقۃ الوحی ص۶۲)

تیسرے۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ حدیث میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ آنحضرت کے بعد اور مسیح موعود کی بعثت سے قبل کوئی نبی نہیں آئے گا۔ جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے۔

لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ۔ (بخاری۔ ابوداؤد۔ طبرانی)

یعنی میرے اور مسیح موعود کے درمیان کوئی نبی نہ ہوگا۔

تو پھر اس واضح ارشاد کی موجودگی میں یہ اعتراض اُٹھانا کہ آنحضرت

کے بعد اب تک صرف مرزا صاحب ہی کیوں نبی ہوئے کوئی اور نبی کیوں نہ ہوا محققانہ شان کے خلاف ہے اور یہ اعتراض در اصل ہم پر نہیں بلکہ حدیث پر ہے یا با لفاظِ دیگر خدا کے رسول پر ہے تعجب ہے کہ بعض لوگوں کو اتنا علم بھی نہیں کہ یہ پیش کردہ صداقت احمدیوں کی اختراع نہیں بلکہ خدا کے رسول محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ ہے۔

قولہٗ ۶

آیتِ کریمہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔ (مائدہ آیت ۴)
سے ظاہر ہے کہ آنحضرت کے ذریعہ دین مکمل ہو چکا ہے لہذا اب کسی جدید نبی کی ضرورت نہیں کہ وہ نیا دین لائے۔

اقول

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ نہ ہر نبی نیا دین لے کر آیا کرتا ہے اور نہ ہی بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے یہ دعوٰی کیا ہے کہ وہ نیا دین لے کر آئے ہیں۔ جب دونوں باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے تو اعتراض کیسا؟

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر دین مکمل ہو چکا ہے اور کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہیں تو آنحضرت نے ایک نبی کے آنے کی پیشگوئی کیوں فرمائی؟ (صحیح مسلم) اور تم لوگ کیوں مسیح اسرائیلی کی آمد کے

منتظر ہو کہ وہ بحیثیت نبی کسی وقت دنیا میں آئیں گے؟ اگر کہو کہ وہ دین میں کسی کمی بیشی کے لئے نہیں بلکہ خدمتِ دین اور حمایتِ اسلام کے لئے آئیں گے تو معلوم ہوا کہ آنحضرت کے بعد ایسا نبی جو دین میں کوئی کمی بیشی نہ کرے بلکہ اس کا مقصد صرف خدمتِ دین اور حمایتِ اسلام ہو آسکتا ہے۔ سو اگر ایسے نبی کا آنا تمہارے نزدیک قابلِ اعتراض نہیں تو ہم تمھیں یقین دلاتے ہیں کہ بانئ سلسلہ احمدیہ کا نبی ہو کر آنا بھی انہیں اغراض و مقاصد کے لئے ہے لا غیر۔ اور اگر اس قسم کے نبی کا آنا بھی اکمالِ دین اور اتمامِ نعمت کے منافی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ تم لوگ مسیح اسرائیلی کی آمد کے منتظر ہو؟ جائے حیرت ہے کہ مسیح اسرائیلی کے آنے سے تو اکمالِ دین اور اتمامِ نعمت میں کوئی خلل واقع نہ ہو لیکن مسیح محمدی کے آنے سے خلل واقع ہو جائے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کا مفاد صرف قرنِ اوّل کے مسلمانوں تک محدود نہیں بلکہ اس کا دامن قیامت تک پھیلا ہوا ہے۔ اور قیامت تک کی مخلوق اکمالِ دین اور اتمامِ نعمت کے وسیع دائرۂ فیضان کے اندر ہے تو پھر امتِ مسلمہ میں کسی ایسے نبی کا آنا جو اکمالِ دین اور اتمامِ نعمت کے مقاصد کی تکمیل اور اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے آئے اس آیت کے مفاد کے منافی کیونکر ہوا؟

چوتھا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ کی رُو سے اگر دین کا اکمال آنحضرت کے ذریعہ ہی تسلیم کیا جائے جس کا نتیجہ اتمام نعمت بھی ہے تو ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ آنحضرت سے پہلے کسی نبی کے ذریعہ دین کا وہ اکمال وقوع میں نہیں آیا جو آپؐ کے ذریعہ آیا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ آنحضرت سے پہلے دین کے نامکمل رہنے کی وجہ سے نعمت بھی ناتمام تھی اور واقعات بھی اسی امر کی تصدیق کرتے ہیں کیونکہ گذشتہ رسولوں کی اتباع سے انسان صرف صدیقیت کے رتبہ تک پہنچ سکتا تھا (حدید آیت ۲۰) اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے وہ مقام نبوت پر بھی فائز ہو سکتا ہے۔ (نساء آیت ۷۰) گویا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اگر ایک طرف اکمالِ دین ہوا تو دوسری طرف اتمام نعمت بھی ہو گیا۔

اصل بات یہ ہے کہ آیت کریمہ

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔

میں امت کو بشارت دی گئی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دین اور نعمت اپنے کمال کو پہنچ گئے ہیں اس لئے اب تمہیں اسلام کے سوا کسی اور مذہب کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت

نہیں تمام مراتبِ کمال تمہیں اسی کے ذریعہ حاصل ہو جائیں گے۔

اور آیتِ کریمہ:۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

میں یہ وعدہ دیا گیا ہے کہ جو لوگ آنحضرت کی اطاعت دل وجان سے کریں گے انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضلوں سے نوازے گا اور وہ صالحیت۔شہیدیت۔صدیقیت اور نبوت کے انعامات کے وارث ہوں گے۔

اور سورۃ فاتحہ کے الفاظ

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

کے ذریعہ ان انعامات کے حصول کے لئے دعا سکھائی گئی ہے کیونکہ انسان محض اپنی ہمت سے نہ شرائطِ اطاعت بجا لا سکتا ہے اور نہ ہی ثمراتِ اطاعت سے کما حقہٗ متمتع ہو سکتا ہے لہذا اس کیلئے یہی واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق مانگتا رہے اور اسی کا فضل طلب کرتا رہے۔

اور آیتِ کریمہ:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آلِ عمران آیت ۱۱۱)

میں یہ بتایا گیا ہے کہ امتِ محمدیہ چونکہ خیر امت ہے اس لئے اس کا ولی دوسری امتوں کے ولیوں سے بہتر ہوگا۔ اور اس کا نبی دوسرا

اُمتوں کے نبیوں سے بہتر۔ لہٰذا ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ شکرِ نعمت کے طور پر اپنی مساعی کو بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کر دے۔ وَقَالَ سُبْحَانَہٗ تَعَالٰی:-

لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ (ابراہیم آیت ۸)

یعنی اگر تم شکر کرو گے تو تمھیں اور زیادہ نعمتیں ملینگی۔

قولہ ۷

آیتِ کریمہ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ (آلِ عمران آیت ۳۲)

سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبّت کا ذریعہ آنحضرت کی پیروی کو ٹھہرایا ہے۔ پس آپؐ کی پیروی سے انسان محبوبِ الٰہی تو بن سکتا ہے لیکن نبی نہیں۔ علاوہ ازیں اگر کوئی جدید رسول آیا تو اِس سے آنحضرت کی محبّت بجائے ایک رسول کے دو رسولوں میں بٹ جائے گی۔

اقول

جواباً عرض ہے کہ یہ آیت بھی امکانِ نبوّت کے منافی نہیں، بلکہ اس کی مؤیّد ہے۔ کیونکہ نبی اللہ ہونا اور محبوبِ الٰہی ہونا کوئی متضاد چیزیں نہیں بلکہ محبوبیتِ الٰہی کے اعلےٰ مرتبہ کا نام ہی نبوّت ہے جس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے نبوّت کا مقام بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

بہرکیف جس طرح آنحضرت کی اتباع سے محبوبیّتِ الٰہی کا رتبہ پانا آپ کی شانِ محبوبی کو کم نہیں کرتا بلکہ آپ کی شان اور عظمت کو بڑھانے کا موجب ہے اسی طرح آپ کی اتباع سے نبوّت کا مرتبہ پانا آپؐ کی شانِ نبوّت کو کم نہیں کرتا بلکہ آپؐ کی شان اور عظمت کو بڑھانے کا موجب ہے۔ گویا آپ کی پیروی سے اگر کوئی شخص نبوّت کا رتبہ پاکر بادشاہ بنے گا تو آپؐ اس سے شہنشاہ ثابت ہونگے۔

باقی رہا یہ کہ کسی جدید نبی کے آنے سے رسول کریم کی محبت بجائے ایک رسول کے دو رسولوں میں منقسم ہو جائے گی تو یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ جب کوئی ایسا نبی آئے جسے آنحضرت کے دین سے کوئی سروکار نہ ہو۔ اور جو اپنے مقاصد کے لحاظ سے بالکل جداگانہ حیثیّت رکھتا ہو۔ لیکن ایسا نبی جس کے آنے کی غرض ہی یہ ہو کہ اسلام کا شجرۂ طیّبہ پھلے پھولے اور آنحضرت کی محبت اور عظمت دلوں میں جاگزیں ہو اس سے تعلق قائم کرنے کے نتیجہ میں آنحضرت کی محبّت کیسے منقسم ہو سکتی ہے؟ ایسے نبی کی اطاعت تو آنحضرت کی محبّت بڑھانے کا موجب ہو گی نہ کہ کم کرنے کا۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ احادیث میں جو مسیح موعود کے آنے کا وقت بتایا گیا ہے اس کے متعلق تو خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰى مِنَ الْاِسْلَامِ

إِلَّا اِسْمُهٗ وَلَا يَبْقٰى مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ۔
(مشکوٰۃ)

یعنی میری امت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ نام کے سوا اسلام کا کچھ باقی نہیں رہے گا اور الفاظ کے سوا قرآن کا کچھ باقی نہیں رہے گا۔

تو کیا ایسے وقت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت دلوں میں باقی ہوگی جس کے منقسم ہونے کا آپ کو خدشہ لاحق ہے اور کیا یہ عملاً آنحضرت کی محبت کا نتیجہ ہو سکتی ہے؟

علاوہ ازیں یہ امر بھی غور طلب ہے۔ کہ اگر آنیوالے مسیح موعود کی محبت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت منقسم ہو جاتی ہے تو پھر آنحضرت کے بعد تم لوگوں کو صحابہ کرام۔ آئمہ دین اور اولیائے عظام سے محبت کا کیوں دعویٰ ہے؟ اگر مسیح موعود کی محبت سے آنحضرت کی محبت میں رخنہ پڑ سکتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ ان بزرگوں کی محبت سے رخنہ نہیں پڑتا؟ اور اگر رخنہ نہ پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بزرگ آنحضرت کے دلی محب اور آپؐ کے دین کے مخلص خادم تھے تو یقین جانئے کہ آنیوالا موعود بھی ایسا ہی ہے۔ مثال کے طور پر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے۔ آپ ایک نعتیہ قصیدہ میں اپنی قلبی کیفیات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں اور کس والہانہ انداز میں فرماتے ہیں ؎

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمّرم - ۱ - گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم
ہر تارو پودِ من بسرائد بعشقِ اُو - ۲ - از خود تہی و از غمِ آں دلستاں پُرم
جانم فدا شود برہِ دینِ مصطفےٰ - ۳ - ایں است کامِ دل اگر آید میسّرم

ترجمہ:- مَیں اللہ تعالےٰ کے بعد محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے عشق میں سرشار ہوں۔ اگر یہ کفر ہے تو خدا کی قسم مَیں پکا کافر ہوں۔

میرا روآں روآں اسی کے عشق میں نغمہ سرا ہے۔ مَیں اپنے غم سے خالی اور اس محبوب کے غم سے لبریز ہوں۔

اے کاش میری جان محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کی خدمت میں کام آئے یہی میرے دل کا مقصد ہے خدا کرے یہ مقصد مجھے حاصل ہو۔

مندرجہ بالا اشعار پڑھیئے اور غور سے پڑھیئے اور خود ہی فیصلہ کیجیئے۔ کہ کیا ایسے عاشقِ رسول کے ماننے سے محبتِ رسولؐ میں کوئی رخنہ پڑ سکتا ہے؟ پس یہ اصل ہی غلط ہے کہ کسی دوسرے نبی کی محبت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ کی محبت میں فرق آجاتا ہے۔ کیا تم لوگوں کو آنحضرت کے علاوہ دوسرے انبیاء سے جو آپؐ سے پہلے ہو گذرے ہیں عداوت ہے؟ اگر نہیں بلکہ محبت ہے تو کیا اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت میں فرق آگیا ہے؟ پس یہ سب فرضی ڈھکوسلے ہیں اور ان کا حقیقت سے دُور کا تعلق بھی نہیں ہے۔

قولہ ۸

آیتِ کریمہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (نساء آیت ۶۰) سے ظاہر ہے کہ اب اللہ اور اس کے رسول محمد مصطفیٰؐ کی اطاعت ہی کافی ہے۔ اگر جدید رسول آیا تو امت انتشار کا شکار ہو جائے گی۔

اقول

یاد رہے کہ یہ آیت بھی امکانِ نبوت کے منافی نہیں بلکہ اس سے امکان نبوت کی تائید ہوتی ہے۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ اور اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ سے اس طرح کہ کسی نبی پر اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے تحت ایمان لانا دوسرے لفظوں میں اللہ اور اس کے رسول کی ہی اطاعت ہے اور اُولِی الْاَمْر کی وسعت میں مسیح موعود بھی داخل ہے اور اس کا مفہوم مسیح موعود کی بعثت کے منافی نہیں اور نہ ہی کسی ایسے نبی کی بعثت کے منافی ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں خدا کے حکم سے آپؐ کے مقاصد کی تکمیل کے لئے آئے۔

علاوہ ازیں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ اگر اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کا یہی مطلب تھا کہ آئندہ کوئی مامور نہیں آسکتا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے امتِ مسلمہ کو یہ ارشاد

کیوں فرمایا:-

مَنْ اَدْرَكَ مِنْكُمْ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ فَلْيَقْرَئْهُ مِنِّي السَّلَامُ۔ (طبرانی و دُرِّ منثور جلد ۲ صفحہ ۲۴۵)

یعنی جس شخص کو مسیح موعود کی ملاقات نصیب ہو وہ میری طرف سے اس کو میرا سلام پہنچا دے۔

جائے حیرت ہے کہ خدا کا رسول تو مسیح موعود کو سلام کا تحفہ بھیج رہا ہے اور تم لوگ سرے سے اس کی آمد کے ہی منکر ہو۔ اگر تمہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مطیع و منقاد ہونے کا دعویٰ ہے تو تمہارا فرض تھا کہ سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے تحت مسیح وقت کی خدمت میں سلام کا تحفہ پیش کرتے باقی رہا یہ خدشہ کہ جدید رسول کے آنے سے امت انتشار کا شکار ہو جائے گی تو یہ خدشہ بے بنیاد ہے۔ وجہ یہ کہ نبی تو آتا ہی اس وقت ہے جب ہر طرف تشتت و انتشار کا دور دورہ ہوتا ہے۔ اور یکجہتی و ہم آہنگی کا نام و نشان باقی نہیں رہتا پس ایسے وقت میں اس کا آنا اتحاد کا موجب ہوگا نہ کہ تفرقہ کا۔

دوسرے۔ غیر تشریعی نبی کوئی نیا کلمہ لے کر نہیں آتا۔ اور نہ کسی نئے قبلہ کی طرف بلاتا ہے۔ اور نہ ہی کوئی نئی امت بناتا ہے بلکہ ایسا نبی سابقہ شریعت کے ذریعہ ہی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ اس لئے انتشار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تیسرے۔ اگر نبی کی بعثت قومی سالمیت کے لئے خطرہ ہے تو تو کیا یہ متعلقہ قوم کا فرض نہیں کہ وہ ساری کی ساری خدا کے فرستادہ پر ایمان لاکر وحدتِ ملّی کو برقرار رکھے؟

قولہٗ ۹

اللہ تعالےٰ نے آنحضرت کو رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ بنایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ سارے جہان کے لئے رحمت ہیں اس لئے اب کسی جدید نبی کی ضرورت نہیں۔

اقول

یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی تمام بنی اسرائیل کے لئے رسول بنا کر بھیجا تھا۔ لیکن پھر بھی ان کے بعد بنی اسرائیل کے لئے پے در پے رسول معبوث ہوئے جو کوئی نیا دین لے کر نہیں آئے تھے بلکہ ان کی بعثت کا مقصد صرف موسوی شریعت کا نفاذ تھا۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سارے جہان کے لئے رحمت ہونا رسولوں کی آمد میں مانع نہیں بلکہ اس امر کا ضامن ہے کہ آپ کی اتباع سے جو نبی آئے گا وہ بھی آپ کا ظلّ ہونے کی وجہ سے سارے جہان کیلئے رحمت ہوگا۔

تعجب ہے کہ ایک طرف تو آپ لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْن ہیں اس لئے آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اور دوسری طرف آپ لوگ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ

آنحضرت کے بعد امّتِ مسلمہ میں تیس جھوٹے نبی پیدا ہونگے (بخاری) گویا آپ کے نزدیک آنحضرت کا رحمۃٌ للعالمین ہونا جھوٹے نبیوں کی آمد میں تو روک نہیں جو مومنوں کو کافر اور موحّدوں کو مشرک بنانے والے ہیں مگر سچے نبیوں کی آمد میں روک ہے جو کافروں کو مومن اور مشرکوں کو مُوحّد بنانے کے لئے آتے ہیں۔ کیا اس صورت میں آنحضرت کا رحمۃً للعالمین ہونا محلِ مدح پر ثابت ہوتا ہے یا محلِ ذم پر؟ گویا آپ کا رحمۃٌ للعالمین ہونا جھوٹے نبیوں کو تو نہیں روکتا جو باطل کی تاریکی کی طرف دھکیلنے والے ہیں مگر سچے نبیوں کو روکتا ہے جو حق کی روشنی کی طرف کھینچنے والے ہیں۔ وباؤں کو تو پھیلنے کی اجازت ہے کہ لوگ بیمار ہو کر ہلاک ہوں۔ مگر ڈاکٹروں کو آنے کی اجازت نہیں کہ مبادا کوئی شخص ان کے علاج سے چنگا ہو کر ہلاکت سے نجات پا جائے۔ کیا صاحبِ رحمت کو دنیا کے لئے باعثِ رحمت نہیں ہونا چاہیئے؟

علاوہ ازیں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر رحمۃً للعالمین کا منصب نبیوں کی آمد میں روک ہے۔ تو علماء کی آمد میں کیوں روک نہیں؟ کیا موجودہ علماء کی جگہ رحمۃٌ للعالمین کے فیوض کافی نہیں؟ اور اگر اصلاح اور ہدایت کے لئے امّت کی ہر نئی نسل کو نئے علماء کی ضرورت ہے تو علماء کے بگڑ جانے پر خود ان کی اصلاح اور ہدایت کے لئے کیوں کسی نبی کی ضرورت نہیں؟ اگر رحمۃٌ للعالمین

کے منصب کا یہی مطلب تھا کہ آنحضرت کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ تو پھر چاہیئے تھا۔ کہ آپ کے بعد دنیا روحانی انحطاط کا شکار نہ ہوتی اور فرقہ بندیوں کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوجاتا اور یہود۔ نصاریٰ اور ہنود وغیرہ اقوام باہم متحد ہوجاتیں۔ لیکن بجائے اس کے کہ اغیار کا تفرقہ دور ہوتا خود امتِ مسلمہ ہی کثیر التعداد فرقوں میں منقسم ہوچکی ہے کیا یہ فرقہ بندیاں بجائے خود کسی نبی کی بعثت کی متقاضی نہیں؟ علامہ اقبال نے کتنی سچی بات کہی ہے

یہ دَور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے،
صنمکدہ ہے جہاں لا الٰہ الّا اللہ (بالِ جبریل)

قولہٗ ۱۰

قرآنِ کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت قیامت تک کے لئے مزکّی اور معلّم ہیں لہذا تزکیہ اور تعلیم کے لئے اب کوئی جدید نبی نہیں آسکتا۔

اقول

جواباً عرض ہے کہ جدید نبی سے آپ کی کیا مراد ہے؟ آیا ایسا نبی جو آنحضرت کے دین کے بالمقابل کوئی نیا دین پیش کرنے والا ہو؟ یا ایسا نبی جس کی وحی آنحضرت کی وحی کی ناسخ اور آپ کی اتباع سے منحرف کرنے والی ہو؟ یا جس کا مزکّی اور معلّم ہونا آنحضرت کے مزکّی اور معلّم ہونے کے منافی ہو؟ اگر تو آپ کی جدید نبی سے یہ مراد ہے

تو یقین جانئیے کہ ایسے نبی کی آمد کے قائل ہم لوگ بھی نہیں پھر آپ کو ہمارے متعلق ایسی شکایت کیوں؟

باقی رہا ایسا نبی جو بانیٔ اسلام کا موعود ہے اور جسکو علیہ السلام کیلئے آنا ہے تو اس کا آنا اگر آپکے نزدیک مسلمہ ہے تو ہمارے نزدیک بھی مسلمہ ہے اور اسی طرح کے نبی ہونیکا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو دعویٰ ہے۔ اور اسی قسم کا نبی ہم انکو مانتے ہیں اور اگر ایسے نبی کے آنے پر بھی آپ کو اعتراض ہے تو یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ آپ کو بانی اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی بات کا پاس نہیں۔

تعجب ہے کہ آپ اس شخص کی آمد پر بھی معترض ہیں جو آنحضرت کی پیروی سے مرتبہ نبوت پانے والا ہے اور وہ بھی اس لئے کہ امّت مسلمہ کی تعلیم و تربیت اور خدمتِ اسلام کا فریضہ سرانجام دے تو پھر اس صورت میں آپ کے اعتراض کی زد سے صدیق اور شہید اور صالح بھی کیونکر بچے آخر وہ بھی تو آنحضرت کی نیابت میں آکر یہی کام کریں گے۔ اور اگر اس قسم کے نبی کے آنے سے آنحضرت کے مزکیّ اور معلّم ہونے کی شان میں فرق آجاتا ہے تو کیا صدیقوں اور شہیدوں اور صالحین کے آنے سے فرق نہیں آئے گا؟

علاوہ ازیں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ کیا آجتک آپ لوگ بلاواسطہ ہی آنحضرت سے تزکیہ اور تعلیم کا فیضان حاصل کرتے رہے یا یہ فیضان حاصل کرنے کے لئے آپ ان علماء کے محتاج ہوئے

جنہیں آنحضرت کے فیضان کے حصول میں بطور وسیلہ سمجھا جاتا تھا؟ اور اگر آنحضرت کے مزکّی اور معلم ہونے کی شان میں ان معمولی وسیلوں سے کوئی فرق نہیں آتا تو مسیح موعود جیسی عظیم شخصیت کے ذریعہ فیضیاب ہونے سے کیوں فرق آنے لگا؟ اور مسیح موعود بھی وہ جو کہ امّتِ مسلمہ کا ہی ایک فرد اور آنحضرت کا ہی روحانی فرزند ہے۔ اور جس کے آنے کی غرض ہی خدمت اسلام اور اشاعتِ اسلام ہے اور جس نے جو کچھ پایا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فیض اور برکت سے پایا ہے۔ جیسا کہ آپ خود اپنی ایک نظم میں فرماتے ہیں ؎

مصطفٰے پر تیرا بیحد ہو سلام اور رحمت
اس سے یہ نور لیا بارِ خدا یا ہم نے (درثمین)

پس حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا مزکّی اور معلّم ہونا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مزکّی اور معلّم ہونے کے منافی نہیں بلکہ اس کا تصدیقی ثبوت اور علامت ہے۔

قولہ ۱۱

حدیث نبوی كَانَتْ بَنُوْا اِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَآءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهٗ نَبِيٌّ وَ اَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَسَيَكُوْنُ خُلَفَاءُ۔

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۹)

سے ظاہر ہے کہ آنحضرت کے بعد خلفاء تو آسکتے ہیں لیکن نبی کوئی نہیں آسکتا۔

اقول

جواباً عرض ہے کہ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے جب کوئی نبی فوت ہوجاتا تھا تو اس کی وفات کے معاً بعد جو اس کا جانشین ہو کر آتا وہ نبی ہوتا تھا۔ جس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت کی اس جگہ خلافت سے مراد خلافتِ متّصلہ ہے نہ کہ منفصلہ۔ اور یہ فقرہ مستقبل قریب کے متعلق ہے نہ کہ مستقبل بعید کے متعلق جیسا کہ حدیث کے دوسرے جملہ وَسَیَکُوْنُ خُلَفَاءُ سے بھی ظاہر ہے۔ اور لفظ سَیَکُوْنُ جو مضارع کا صیغہ ہے اس پر "س" کا حرف صاف مستقبل قریب پر دلالت کرتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت یہاں جس خلافت کا ذکر فرما رہے ہیں وہ مستقبل قریب کی خلافت ہے نہ کہ مستقبل بعید کی خلافت پس اس لحاظ سے اس حدیث میں لَانَبِیَّ بَعْدِیْ کا جملہ بالکل مناسب اور برمحل ہے اور ہم بھی اس کے مصدّق ہیں کہ آنحضرت کے معاً بعد مستقبل قریب میں واقعی آپ کا کوئی خلیفہ نبی نہیں ہوا۔ لیکن اس حدیث سے آخری زمانہ میں جو مستقبل بعید سے تعلّق رکھتا ہے آنیوالے نبی کی نفی کیونکر ثابت ہوئی جبکہ آپ لوگ بھی ہماری طرح آنیوالے مسیح موعود کی نبوّت کے قائل ہیں اور جس کے

متعلق آنحضرتؐ نے چار دفعہ نبی اللہ کا لفظ استعمال فرمایا ہے (صحیح مسلم) اور جس کو قرب قیامت کی علامت قرار دیا ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانہ میں نبوت سے معزول ہو کر آئیں گے تو یہ اسلام کے مسلمہ عقیدہ کے خلاف ہو گا۔ جیسا کہ حضرت امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:-

وَمَنْ قَالَ بِسَلْبِ نُبُوَّتِهٖ کَفَرَ حَقًّا فَاِنَّہٗ نَبِیٌّ لَا یَذْھَبُ عَنْہُ وَصْفُ النُّبُوَّۃِ۔

(حجج الکرامہ صفحہ ۴۳۱)

یعنی جس شخص نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ کہا کہ وہ آخری زمانہ میں نبوت سے معزول ہو کر آئیں گے وہ پکا کافر ہے کیونکہ وہ خدا کے ایک مستقل نبی تھے اور یہ نبوت کا وصف ان سے کسی طرح جدا نہیں ہو سکتا۔

تعجب ہے کہ بعض لوگ ایک طرف تو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت کے بعد جو مسیح موعود آنیوالا ہے وہ نبی اللہ ہو گا اور پھر دوسری طرف ہمارے سامنے آیت خَاتَمَ النَّبِیّٖن اور حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کو پیش کر دیتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ جس آیت اور حدیث سے وہ احمدیوں کو ملزم قرار دیتے ہیں اس کی وجہ سے وہ خود بھی زیرِ الزام ہیں۔ اور اگر ان کے نزدیک آنحضرت کے بعد آنیوالے مسیح کا نبی اللہ ہونا استثنائی صورت رکھتا ہے تو جس طریق سے

انہوں نے ایک استثناء قائم کر کے ایک نبی کے لئے گنجائش نکال لی ہے۔ کیوں اس طریق سے ہمارے لئے ایک استثناء قائم کرنا جائز نہیں؟ اگر اس طریق سے ہم ملزم اور خطا کار ہیں تو کیوں اس طریق سے خود وہ ملزم اور خطا کار نہیں؟

اور اگر کہا جائے کہ مسیح اسرائیلی کے آنے اور مرزا صاحب کے آنے میں فرق ہے۔ مسیح اسرائیلی تو پہلے سے نبی ہیں اور مرزا صاحب بعد میں نبی ہوئے تو میں پوچھوں گا کہ آیت خاتم النبیین کے کس لفظ کے یہ معنے ہیں کہ جو پہلے سے نبی ہو وہ آسکتا ہے اور جو بعد میں پیدا ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا؟ جائے حیرت ہے کہ ایک طرف تو یہ لوگ خاتم النبیین کے معنے نبیوں کا ختم کرنے والا کرتے ہیں اور دوسری طرف مسیح اسرائیلی کے بھی منتظر ہیں۔ اگر مسیح اسرائیلی کو واقعی آنا ہے تو پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آکر کیا ختم کیا؟ گذشتہ انبیاء تو آپ کی بعثت سے قبل ہی فوت ہو چکے تھے اور ان کی رسالت کا دور ختم ہو چکا تھا۔ ایک مسیح علیہ السلام ہی بخیال الشان فوت نہیں ہوئے تھے اور ان کی رسالت کا دور ختم نہیں ہوا تھا سو وہ اب بھی ختم نہیں ہوئے اور ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ وہ قیامت سے پہلے ضرور دنیا میں آئیں گے۔ تو پھر ہمارے سامنے آیت خاتم النبیین اور حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِی کو پیش کر کے کس منہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے

نبیوں کو ختم کر دیا ہے اور آپؐ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آ سکتا۔

قولہ ۱۲

حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت قصرِ نبوت کی آخری اینٹ ہیں (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۷۵) لہذا آپؐ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو سکتا۔

اقول

جواباً عرض ہے کہ اوّل تو اس حدیث کو بعض علماء نے ضعیف قرار دیا ہے اور اگر اسے صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے صرف دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس محل سے مراد قصرِ شریعت ہے جس کی تعمیر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اپنے کمال کو پہنچ گئی۔ اور دوسرے یہ کہ عیسےٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور اب وہ قیامت تک امتِ محمدیہ کی طرف نہیں آ سکتے۔ کیونکہ وہ آنحضرت سے پہلی اینٹ تھے جو نبوت کے محل میں لگ چکی۔ اب آنحضرت کے بعد اگر ان کا آنا تسلیم کریں تو اس سے دو مشکلیں پیش آئیں گی۔ ایک یہ کہ عیسٰی علیہ السلام کو جو آنحضرت سے پہلی اینٹ ہیں دوبارہ لانے کے لئے اپنی جگہ سے اکھاڑنا پڑے گا۔ دوسری مشکل یہ کہ جب عیسٰی علیہ السلام کی اینٹ اکھاڑی جائے گی تو آنحضرت کی اینٹ جو اوپر کی اینٹ ہے نیچے کی اینٹ کی جگہ آ جائے گی اور نیچے کی اینٹ

اُوپر کی اینٹ کی جگہ چلی جائے گی جس سے آخری نبی عیسےٰ علیہ السلام بن جائیں گے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ ختمیت مشتبہ ہو جائے گی جس سے ظاہر ہے کہ یہ حدیث عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے میں مانع ہے پس اس حدیث کی بناء پر اعتراض اٹھانا کہ جب قصرِ نبوت کی آخری اینٹ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں تو بانیٔ سلسلہ احمدیہ کس طرح نبی ہو سکتے ہیں نہایت ہی بودا اعتراض ہے کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا وجودِ باجود جس آخری اینٹ سے معنوی طور پر مشابہ ہے وہ ایسی اینٹ ہے جس کے اندر قرآن کریم کے تیس پارے اور سب حدیث کی کتابیں اور تمام خلفاء اور مجددین اور اولیاء داخل ہیں۔ اور اسی طرح وہ مسیح موعود بھی داخل ہے جس کے متعلق صحیح مسلم میں چار دفعہ نبی اللہ کے الفاظ آئے ہیں اور جس کے متعلق آنحضرت نے امت کو یہ بشارت دی ہے۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ یُوْشَکُ اَنْ یَّنْزِلَ فِیْکُمْ ابْنِ مَرْیَمَ حَکَمًا عَدْلًا فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْحَرْبَ۔ (بخاری)

یعنی مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں ضرور مسیح ابن مریم نازل ہوگا جو حکم اور عدل بن کر تمہارے اختلافات کا فیصلہ کریگا۔ وہ صلیبی مذہب کو پاش پاش کر دے گا اور خنزیر صفت لوگوں کو دلائل کی تلوار سے

موت کے گھاٹ اتارے گا اور مذہبی جنگوں کو موقوف
کردے گا۔

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہے کہ عیسائیت کے غلبہ کے وقت امت مسلمہ میں ایک مسیح موعود آئے گا۔ پس قصرِ نبوت کی آخری اینٹ کا اگر یہ مطلب ہوتا کہ آئندہ کوئی نبی نہیں آسکتا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے بعد کسی مامور کے آنے کی خبر ہرگز نہ دیتے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ نزول کا یہ مطلب نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام خود بجسدہٖ آسمان سے نازل ہوں گے کیونکہ جب ان کا جسمِ عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھنا ہی ثابت نہیں تو ان کا جسمِ عنصری کے ساتھ آسمان سے اُترنا کیسے باور کیا جا سکتا ہے؟ دراصل آسمانی کتابوں کا یہ عام محاورہ ہے کہ جو خدا کی طرف سے آتا ہے اس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ آسمان سے نازل ہوا ہے اور اس حدیث میں تو آسمان کا لفظ بھی موجود نہیں۔ پس یہاں نزولِ عیسیٰ سے ایسے شخص کا ہی ظہور مراد ہے جو اپنی فطرت، اخلاق اور رُوحانیت میں عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہوگا اور امت میں سے ہی آئے گا۔ جیسا کہ بخاری میں نشاندہی کی گئی ہے کہ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ کہ وہ تمہارا امام تم میں سے ہی پیدا ہوگا۔

الغرض مذکورہ بالا حدیث میں ایک مثیلِ مسیح کے آنے کی خبر دی گئی ہے نہ کہ خود مسیح کے آنے کی اور نزول کا لفظ اس کے اکرام

کے لئے آیا ہے جیسا کہ آنحضرت کے متعلق قرآن کریم میں آتا ہے کہ:۔

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ (طلاق آیت ۱۱-۱۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک صاحب شرف رسول نازل کیا ہے جو تم کو اللہ کے واضح احکام سناتا ہے۔

اب دیکھئے اس آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی نزول کا لفظ آیا ہے اور جیسا کہ سب جانتے ہیں آپ آسمان سے نازل نہیں ہوئے تھے بلکہ آپ کی پیدائش مکہ میں ہوئی تھی۔

قولہ ۱۳

کیا ہمارے زمانہ میں بعثت انبیاء کی کوئی ایسی علت موجود ہے جو مرزا صاحب کے ظہور کی اساس قرار دی جا سکے۔ اگر ہے تو کونسی؟

اقول

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی قدیم سے یہ سنت چلی آتی ہے کہ دنیا میں جب بھی گمراہی پھیلتی ہے اور مذہبی اختلافات حد سے بڑھ جاتے ہیں تو وہ لوگوں کی ہدایت اور اصلاح کیلئے ضرور کسی نبی کو مبعوث فرماتا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے:۔

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ (الصّٰفّٰت آیت ۷۲-۷۳)

یعنی ان سے قبل بھی بہت سی قومیں گمراہ ہو چکی ہیں اور
ہم ان میں رسول بھیج چکے ہیں۔
اسی طرح سورۂ بقرہ میں آتا ہے:۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ۔ (البقرہ آیت ۲۱۴)

یعنی اللہ تعالےٰ نے انبیاء کو مبشر اور منذر بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ حق پر مشتمل کتاب نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کے متعلق جن میں انہوں نے اختلاف پیدا کر لیا تھا فیصلہ کرے۔

مذکورہ بالا آیات سے ظاہر ہے کہ نبیوں کی بعثت کی علت لوگوں کی ضلالت اور اختلاف ہے اور نبیوں کی بعثت معلول۔ پس جہاں علت پائی جائے گی وہاں معلول کا ہونا ضروری ہے۔ ہاں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت مسلمہ میں قیامت تک گمراہی اور اختلاف راہ نہیں پا سکتے تو بے شک اس میں کوئی نبی بھی مبعوث نہیں ہو سکتا۔ اور اگر امت میں گمراہی پھیل سکتی اور اس میں اختلافات راہ پا سکتے ہیں تو اس میں نبی بھی مبعوث ہو سکتا ہے اور حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امت مسلمہ میں ضلالت و گمراہی بھی پھیلے گی اور وہ افتراق و اختلاف کا شکار بھی ہو گی۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے:۔

يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰى مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُهٗ وَلَا يَبْقٰى مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ۔

(مشکوٰۃ)

یعنی میری امت پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کریم کے صرف الفاظ باقی رہ جائیں گے۔

نیز فرمایا:۔

اِنَّ بَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَ سَبْعِیْنَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَّسَبْعِیْنَ مِلَّةً۔ (مشکوٰۃ)

یعنی بنی اسرائیل تو مذہبی اختلافات کی وجہ سے بہتّر فرقوں میں منقسم ہو گئے تھے اور میری امت تہتّر فرقوں میں منقسم ہو جائے گی۔

مذکورہ بالا حدیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت کے بعد ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ مسلمانوں میں گمراہی پھیل جائے گی اور امت اختلافات کا شکار ہو جائے گی اور واقعات بھی بتاتے ہیں کہ یہ خبریں بالکل درست ہیں۔ چنانچہ مولٰنا حالی اپنے مشہور مسدّس میں مسلمانوں کی حالتِ زار کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

رہا دین باقی نہ اسلام باقی
اک اسلام کا رہ گیا نام باقی

اور علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں (بانگ درا)

پس جب علت موجود ہے تو لازماً اس کا نتیجہ معلول کی صورت میں ظاہر ہونا چاہیئے اور وہ ہے کسی نبی کی بعثت۔ اور جب اللہ تعالےٰ کی قدیم سے یہی سنت چلی آتی ہے کہ وہ گمراہی اور اختلافات کو دُور کرنے کے لئے نبی مبعوث کرتا ہے تو اب وہ کیوں نبی مبعوث نہ کرتا؟ کیا اب اللہ تعالےٰ کی سنت بدل گئی ہے؟ حالانکہ سورۃ احزاب میں وہ خود فرماتا ہے۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ (احزاب آیت ۶۳)
یعنی تو کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی سنّت میں تبدیلی نہیں پائیگا۔

پس یہی وہ صورتِ حال تھی جس کی بناء پر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے فرمایا ؎

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
مَیں نہ آتا تو کوئی اَور ہی آیا ہوتا (دُرِّثمین)

نیز خدا سے خبر پا کر اہل اسلام کو یہ یقین افزا بشارت دی کہ:۔

"سچائی کی فتح ہوگی اور اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے اور وہ آفتاب پھر اپنے پورے کمال کے ساتھ چڑھے گا جیسا کہ

پہلے چڑھ چکا ہے۔" (فتح اسلام ص۱۱ مطبوعہ ۱۸۹۱ء)

قولہ ۱۴

حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنیوالا مامور مسیح اسرائیلی ہوگا۔ نہ کہ مسیح محمدی۔ لہٰذا امت کا کوئی فرد مسیح موعود تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

اقول

یاد رکھنا چاہیئے کہ پیشگوئیاں اپنے اندر استعارات بھی رکھتی ہیں اور ان کی اصل حقیقت ظہور میں آنے کے بعد ہی کھلتی ہے بالخصوص جب کسی گذشتہ نبی کے دوبارہ آنے کی پیشگوئی کی گئی ہو تو اس سے مراد ہمیشہ اس کا مثیل ہوا کرتا ہے نہ کہ اس کا عین۔ جیسا کہ الیاس علیہ السلام کے متعلق ملاکی نبی نے پیشگوئی کی تھی کہ وہ دنیا میں دوبارہ آئیں گے لیکن مبعوث ان کی جگہ یحییٰ علیہ السلام ہوئے اور خود عیسیٰ علیہ السلام نے بھی انہیں کو آنیوالا الیاس قرار دیا (انجیل) تو بعض اوقات کسی خاص مماثلت کی وجہ سے ایک نبی کا نام دوسرے نبی کو دیدیا جاتا ہے اور ان حدیثوں میں بھی دراصل ایسے شخص کا ہی ظہور مراد ہے۔ جو شرف اور کمال میں عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہوگا۔ نہ کہ خود عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور۔ کیونکہ قرآن۔ حدیث اور تاریخ ان کو وفات یافتہ قرار دیتے ہیں اور وفات یافتہ شخص کے متعلق اللہ تعالیٰ کا دو ٹوک فیصلہ ہے کہ:۔

فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ (زمر آیت ۴۳)
یعنی جس پر موت وارد ہو جائے۔ وہ دنیا میں دوبارہ نہیں
آسکتا۔

دوسرے۔ اگر مسیح اسرائیلی امتِ محمدیہ کی طرف رسول ہو کر آئیں تو
اس سے خدا کے کلام کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ قرآن مجید میں ان کو
رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (آل عمران آیت ۵۰)
کہا گیا ہے کہ وہ صرف بنی اسرائیل کے لئے رسول تھے۔ اور پھر یہ امر
بھی غور طلب ہے کہ کیا زمانہِ قدیم کا قومی نبی عہدِ جدید کے عالمی
تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے؟ آخر بچپن کا لباس جوانی میں تو
کام نہیں آیا کرتا۔

تیسرے۔ آنحضرت نے جو حلیہ مسیح محمدی کا بیان فرمایا ہے وہ
اَور ہے اور جو حلیہ مسیح اسرائیلی کا بیان فرمایا ہے وہ اَور ہے (بخاری
جلد ۲) جس سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح محمدی اَور ہے اور مسیح
اسرائیلی اَور۔ کیونکہ ایک شخص کے دو حلیے نہیں ہو سکتے۔

چوتھے۔ آنحضرت نے آنیوالے مسیح موعود کے بارے میں واضح
طور پر نشاندہی کر دی ہے کہ
اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ (بخاری)
کہ وہ تمہارا امام تم میں سے ہی پیدا ہوگا۔ یعنی آنیوالا مسیح موعود
امتِ مسلمہ کا ہی ایک فرد اور آنحضرت کا ہی روحانی فرزند ہوگا پس

ان تصریحات کے باوجود مسیح اسرائیلی کی آمد پر اصرار کیوں؟

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ اپنی تصنیف "تذکرۃ الشہادتین" مطبوعہ ۱۹۰۳ء میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"مسیح موعود کا آسمان سے اترنا محض جھوٹا خیال ہے یاد رکھو۔ کوئی آسمان سے نہیں اُترے گا ہمارے سب مخالف جواب زندہ موجود ہیں وہ تمام مریں گے اور کوئی اُن میں سے عیسیٰ ابنِ مریم کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا اور پھر ان کی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مرے گی اور ان میں سے بھی کوئی آدمی عیسیٰ ابن مریم کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا۔ اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گی تب خدا ان کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گذر گیا اور دنیا دوسرے رنگ میں آگئی مگر مریم کا بیٹا عیسیٰ اب تک آسمان سے نہ اُترا تب دانشمند یک دفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے"

(تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۴-۶۵)

قولہ ۱۵

اگر آنحضرت کی اتباع سے کوئی نبی بن سکتا تو آپ کی اتباع سے اکیلے مرزا صاحب کو ہی نبی بننا تھا صحابہ رضوان اللہ

علیہم اجمعین کیوں نبی نہ بنے ؟

اقول

یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ آنحضرت کی اتباع سے کیوں اکیلے مرزا صاحب ہی نبی ہوئے۔ تو یہ اعتراض بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی اتباع سے کیوں اکیلے ابوبکر ہی صدیق ہوئے باقی صحابہ کو یہ مقام کیوں حاصل نہ ہوا ؟ اور ساری امت کو اس اعزاز میں کیوں شریک نہ کیا گیا ؟

دوسرے۔ یہ امر بھی غور طلب ہے کہ اگر صحابہ میں سے کوئی نبی بن جاتا تو کیا اس سے حدیث نبوی پر حرف نہ آتا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح ارشاد ہے:۔

لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ نَبِیٌّ۔ (بخاری۔ ابوداؤد۔ طبرانی)

کہ میرے اور مسیح موعود کے درمیان کوئی نبی نہ ہوگا۔

تیسرے۔ یہ اعتراض کوئی نیا نہیں آنحضرت کے زمانہ میں بھی یہ کہا گیا تھا

لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (زخرف آیت ۳۲)

یعنی یہ قرآن ایک یتیم پر ہی نازل ہونا تھا۔ مکہ اور طائف کے کسی بڑے شخص پر کیوں نازل نہ ہوا ؟

تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا:۔

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ۔ (زخرف آیت ۳۳)

کیا وہ تیرے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں ؟
اور کیا انہیں اس بات کا علم نہیں کہ
يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِيْمِ۔ (بقرہ آیت ۱۰۶)
وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے چن لیتا ہے۔ اور
اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اور یہ وہ حقیقت ہے جس کا اظہار حضرت مرزا صاحب نے بھی متعدد مقامات پر کیا ہے۔ چنانچہ آپ شکرِ نعمت کے طور پر اپنی ایک نظم میں فرماتے ہیں ؎

یہ سراسر فضل و احساں ہے کہ میں آیا پسند
ورنہ درگہ میں تری کچھ کم نہ تھے خدمت گذار (درثمین)

قولہ ۱۶

مرزا صاحب کے بعض کشف خلافِ شرع ہیں۔ مثلاً عین اللہ والا کشف اور جو کشف خلافِ شرع ہو وہ شیطانی ہوتا ہے۔

اقول

جواباً عرض ہے کہ جس طرح گذشتہ انبیاء کے رؤیا و کشوف میں متشابہات بھی پائے جاتے ہیں اور محکمات بھی۔ اسی طرح حضرت مرزا صاحب کے رؤیا و کشوف میں متشابہات بھی پائے جاتے ہیں اور محکمات بھی متشابہات کو ظاہر پر محمل کرنا اور ان کے محکمات کے خلاف معنے لینا اصولِ رؤیا کے

خلاف ہے اور علمِ دین سے ناواقفی کی علامت ہے۔ بہرکیف اگر متشابہات کی وجہ سے بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے رؤیا وکشوف کو خلافِ شرع کہنا درست ہے تو میں آپ سے پوچھونگا کہ وہ رؤیا وکشوف جو آپ لوگوں کے مسلّمات سے ہیں کیا ان کو بھی متشابہات کی وجہ سے خلافِ شرع کہنا درست ہوگا۔ مثلاً یوسف علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے کہا۔

اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ۔ (یوسف آیت ۵)

یعنی میں نے رؤیا میں گیارہ ستارے اور سورج اور چاند دیکھے ہیں اور یہ بھی دیکھا ہے کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔

اور قرآن کریم میں دوسری جگہ آتا ہے کہ:۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ

(حج آیت ۱۹)

یعنی جو بھی آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور سورج اور چاند اور ستارے وغیرہ سب کے سب اللہ تعالےٰ کو سجدہ کر رہے ہیں۔

تو جب سجدہ خدا کا حق ہے اور خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں

تو کیا بقولِ شما یوسف علیہ السلام کا خواب خلافِ شرع ہونے کی وجہ سے شیطانی ہے؟ اور کیا آپ اسے شیطانی خواب کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں؟

اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم میں آتا ہے:-

قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی - (صٰفّٰت آیت ۱۰۳)

یعنی ابراہیم نے اپنے بیٹے سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔

اور سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ - (بنی اسرائیل آیت ۳۲)

اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔

اور وجہ یہ بتائی:-

اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِیْرًا (بنی اسرائیل آیت ۳۲)

یعنی انہیں قتل کرنا قانونِ شریعت کی رو سے بہت بڑا گناہ ہے۔

تو کیا ابراہیم علیہ السلام کا یہ خواب بقولِ شما خلافِ شرع ہونے کی وجہ سے شیطانی ہے؟ اور کیا آپ اسے شیطانی خواب کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ گذشتہ انبیاء کے رؤیا و کشوف بھی اپنے اندر متشابہات کا پہلو رکھتے ہیں۔ اور

اس بات کے محتاج ہیں کہ ان کی تعبیر محکمات کے تحت کی جائے۔ پس اگر حضرت بانئ سلسلہ عالیہ احمدیہ کا بھی کوئی کشف اپنے اندر متشابہات کا پہلو رکھتا ہے تو اس کی تعبیر بھی محکمات کے تحت ہونی چاہیئے اور یہ دیکھنا چاہیئے کہ خود صاحبِ کشف نے اس کا کیا مطلب بیان کیا ہے نہ یہ کہ اپنی طرف سے ایک مطلب گھڑ کے صاحبِ کشف کی طرف منسوب کر دیا جائے

دیکھئے جنگِ بدر کے تعلق میں اللہ تعالٰے نے آنحضرت کو مخاطب کر کے قرآن کریم میں فرمایا ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔

(انفال آیت ۱۸)

یعنی جب تو نے پتھر پھینکے تھے تو تُو نے نہیں پھینکے تھے بلکہ اللہ تعالٰے نے پھینکے تھے۔

اب دیکھئے اس آیت میں اللہ تعالٰے نے آنحضرت کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا ہے۔ کیا خدا اور اس کے رسول کے فعل میں کوئی فرق نہیں؟

اسی طرح بیعتِ رضوان کے تعلق میں اللہ تعالٰے سورۃ فتح میں فرماتا ہے :۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ۔ (فتح آیت ۱۱)

یعنی جو لوگ تیری بیعت کرتے ہیں یقیناً وہ تیری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی بیعت کرتے ہیں اور اللہ کا ہاتھ انکے ہاتھوں پر ہے۔

اس آیت میں آنحضرت کے ہاتھ کو اللہ تعالےٰ کا ہاتھ قرار دیا گیا ہے، کیا خدا اور رسول ایک ہی وجود کے دو نام ہیں ؟

اسی طرح صحیح بخاری میں آتا ہے :۔

بندہ نوافل ادا کرتا کرتا خدا کے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ خدا اس کے ساتھ محبت کرنے لگ جاتا ہے اور جب وہ اس کو اپنا دوست بنا لیتا ہے تو اس کے کان بنجاتا ہے جن سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھیں بن جاتا ہے جن سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ بن جاتا ہے۔ جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہے جن سے وہ چلتا ہے۔ (بخاری کتاب الرقاق)

غور فرمائیے۔ اللہ تعالےٰ اگر مومن کے پاؤں بھی بن جاتا ہے جن سے وہ چلتا ہے تو بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے کشف پر اعتراض کیسا ؟ کیا آپ ان مسلّمات کے بارے میں بھی یہ کہیں گے کہ یہ ناجائز ہیں ؟ اگر نہیں اور یہ متشابہات آپ کے نزدیک جائز ہیں اور تعبیر طلب ہیں۔ تو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیّہ کے متشابہات کیوں جائز نہیں اور ان کو تعبیر طلب کیوں قرار نہیں دیا جاتا۔ جبکہ خود انہوں نے بھی ان کو تعبیر طلب قرار دیا ہے اور ان کی تعبیر کی ہے۔

باقی رہا عین اللہ والا کشف تو اس کا مطلب بھی حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیّہ نے وہی بیان فرمایا ہے جو بخاری کی مذکورہ بالا حدیث

کا مطلب ہے۔ دیکھئے آئینہ کمالاتِ اسلام، پس اعتراض کیسا؟

قولہٗ ۱۷

خواب انسانی خیال کا ہی دوسرا نام ہے۔ پس خوابوں پر انحصار نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اسلام میں ایسے توہمات کی گنجائش ہے۔

اقول

یاد رہے کہ اللہ تعالےٰ ربِّ اجسام ہی نہیں ربِّ ارواح بھی ہے اور اس نے جہاں انسان کی جسمانی نشوونما کے لئے متعدد سامان پیدا کئے ہیں وہاں اس کی رُوحانی نشوونما کے لئے بھی مختلف سامان پیدا فرمائے ہیں۔ اور ان سامانوں میں سے ایک خواب بھی ہے اور اس کا مادہ ہر انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے۔ کسی میں کم اور کسی میں زیادہ۔ انبیاء بھی خوابیں دیکھتے رہے ہیں جن میں سے بعض کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے۔ پس خوابوں کی افادیّت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ ابنِ سیرین فرماتے ہیں :۔

اَلرُّؤْیَاءُ ثَلٰثٌ۔ حَدِیْثُ النَّفْسِ وَ تَخْوِیْفُ الشَّیْطَانِ وَ بُشْرٰی مِنَ اللہِ فَمَنْ رَأٰی شَیْئًا یَکْرَھُہٗ فَلَا یَقُصَّہٗ عَلٰی اَحَدٍ وَ لْیَقُمْ فَلْیُصَلِّ۔ (تعطیر الانام)

یعنی خوابوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک حدیث النفس ہے
دوسرے شیطان کی تخویف اور تیسرے۔ بشریٰ جو اللہ
تعالےٰ کی طرف سے دکھائی جاتی ہے۔ اور جو مکروہ خواب
دیکھے اسے چاہیئے کہ وہ کسی سے بیان نہ کرے۔ اور اسی وقت
اٹھے اور نماز کے ذریعہ دعا کرے تاکہ اس کے ضرر سے
محفوظ رہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ حدیث النفس سے مراد تو وہ خوابیں ہیں جو انسان اپنی طبیعت کی رَو کے تحت عام طور پر دیکھتا رہتا ہے کیونکہ اس کا دماغ کسی وقت بھی بے خیال نہیں رہتا۔ بیداری کی حالت میں بھی اس کے دماغ میں خیالات آتے رہتے ہیں اور خواب کی حالت میں بھی۔ طالب علم جو دن کو پڑھنے میں مشغول رہتے ہیں طبیعت کی رَو کے تحت رات کے وقت خواب میں بھی اسی شغل میں لگے رہتے ہیں۔ ایسا ہی پیشہ وروں کا حال ہے۔ درزی۔ درزی کے کام میں اور دھوبی۔ دھوبی کے شغل میں مصروف رہتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جس طرح بیداری میں خیالات آتے اور ساتھ ساتھ بھولتے جاتے ہیں۔ خواب میں بھی خیالات آتے اور ساتھ ساتھ بھولتے جاتے ہیں اور انسان اس بھول کی وجہ سے یہ سمجھتا ہے کہ اسے کوئی خواب نہیں آیا حالانکہ انسانی دماغ کسی وقت بھی خیالات کی آمد و رفت سے خالی نہیں رہ سکتا اور خواب میں بھی یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے

بلکہ بعض اوقات یہ خیالات اس کی دبی ہوئی خواہشات سے ملکر اُسے مختلف مناظر بھی دکھلاتے رہتے ہیں جن میں سے بعض جاگنے پر یاد بھی رہ جاتے ہیں لیکن وہ حدیث النفس کے دائرہ سے باہر نہیں ہوتے اور ایسے خوابوں کی ایک بڑی نشانی یہ ہوتی ہے کہ ان کا قلب پر چنداں اثر محسوس نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں ایسے خوابوں کے متعلق جو حدیث النفس کے دائرہ سے تعلق رکھتے ہیں اَضْغَاثُ الْاَحْلَام کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ (سورۃ یوسف)

اور شیطانی خوابوں کے متعلق امام ابنِ سیرین کا یہ قول بھی کہ ان میں تخویف کا پہلو پایا جاتا ہے قرآن کریم سے ہی مستنبط ہے اللہ تعالےٰ سُورۃ آل عمران میں فرماتا ہے:۔

اِنَّمَا ذٰلِکُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَہٗ فَلَا تَخَافُوْھُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

(آل عمران آیت ١٧٦)

یعنی شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے پس اگر تم سچے مومن ہو تو ان شیطانوں سے مت ڈرو اور صرف مجھ سے ہی ڈرو۔

گویا محجوب طبائع جو خالق اسباب کی بجائے اسباب پر نظر رکھتی ہیں چونکہ بصورتِ شرک شیطان سے ایک طرح کی مناسبت پیدا کر لیتی ہیں اس لئے شیطان بھی انہیں اس مناسبت کی وجہ سے

خوف زدہ کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں ایک اور مقام پر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ۔ (نحل آیت ۱۰۱)

یعنی شیطان کا زور صرف انہیں لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے دوستی کا تعلق رکھتے ہیں اور جو اس کی وجہ سے شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔

پس شیطانی خواب اسی کو آئے گا جو شیطان سے دوستی کا تعلق رکھیگا اور شرک کا مرتکب ہوگا۔ اور رحمانی خواب اسی کو آئے گا جو رحمٰن سے دوستی کا تعلق رکھے گا اور شرک سے مجتنب رہے گا۔

اور علامہ ابنِ سیرین کا یہ ارشاد بھی کہ مبشر خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دکھائے جاتے ہیں۔ دراصل قرآنی تعلیم سے ہی ماخوذ ہے سورۂ یونس میں آتا ہے:۔

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ

(یونس آیت ۶۳-۶۴-۶۵)

یاد رکھو جو اللہ تعالےٰ کے دوست ہیں ان پر نہ کوئی خوف طاری ہوتا ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ

جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا ان کے لئے اس
ورلی زندگی میں بھی بشارات کا انعام مقدر ہے اور اُخروی
زندگی میں بھی۔

مذکورہ بالا آیات سے ظاہر ہے کہ جو لوگ اللہ تعالےٰ سے دوستی کا تعلق استوار کرتے ہیں وہ نہ صرف شیطان کی تخویف سے محفوظ رہتے ہیں بلکہ اپنے ایمان اور تقویٰ کے طفیل ایک طرح کی عالمِ قدس کے ساتھ مناسبت پیدا کر لیتے ہیں جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اکثر ایسے خواب دکھائے جاتے ہیں جو بشارات پر مشتمل ہوتے ہیں اور دل میں آہنی میخ کی طرح گڑ جاتے ہیں۔

اور امام ابنِ سیرین کا یہ فرمانا کہ مکروہ خواب دیکھنے والا نماز کے ذریعہ دعا کرے اس بناء پر ہے کہ محافظِ حقیقی اللہ تعالےٰ ہی ہے اور وہی مکروہ خواب کے بداثرات سے بچا سکتا ہے اس لئے انسان کے لئے یہی لازم ہے کہ وہ نماز کے ذریعہ اسی سے دُعا مانگے سورۂ نمل میں آتا ہے :۔

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ
السُّوْٓءَ۔ (نمل آیت ٦۳)

یعنی اللہ تعالےٰ ہی بیکسوں کی دُعائیں سُنتا ہے اور ان
کی تکالیف کو رفع کرتا ہے۔

پس ردِّ بلا کے لئے اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

رؤیا کے بعض پہلوؤں پر حدیث میں بھی روشنی ڈالی گئی ہے مثلاً بخاری اور مسلم میں آتا ہے:-

اَلرُّؤْیَا الصَّالِحَۃُ مِنَ اللّٰہِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّیْطَانِ فَاِذَا رَاٰی اَحَدُکُمْ مَا یُحِبُّ فَلَا یُحَدِّثْ بِہٖ اِلَّا مَنْ یُّحِبُّ وَاِذَا رَاٰی مَا یَکْرَہُ فَلْیَتَعَوَّذْ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّھَا وَ مِنْ شَرِّ الشَّیْطَانِ وَلْیَتْفُلْ ثَلَاثًا وَ لَا یُحَدِّثْ بِھَا اَحَدًا فَاِنَّھَا لَنْ تَضُرَّہٗ۔

(رواہ بخاری ومسلم)

یعنی رؤیائے صالحہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور حلم شیطان کی طرف سے۔ پس جب تم میں سے کوئی پسندیدہ خواب دیکھے تو صرف اس شخص کو بتائے جو اس کا دوست ہو اور جب کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اس کے شر اور شیطان کے شر سے بچنے کے لئے اللہ تعالےٰ کی پناہ مانگے اور تین دفعہ تھوک دے اور یہ خواب کسی کو نہ بتائے تو اس صورت میں اس کا برا اثر ظاہر نہیں ہو گا۔

اسی طرح صحیح مسلم میں آتا ہے:-

اِذَا رَاٰی اَحَدُکُمُ الرُّؤْیَا یَکْرَھُھَا

فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهٖ ثَلٰثًا وَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ ثَلٰثًا وَلْيَتَحَوَّلْ عَنْ جَنْبِهِ الَّذِيْ كَانَ عَلَيْهِ۔ (رواہ مسلم)

یعنی جب تم میں سے کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے۔ تو تین دفعہ اپنی بائیں طرف تھوک دے اور تین مرتبہ اعوذ پڑھکر شیطان سے اللہ تعالےٰ کی پناہ مانگے اور جس پہلو پر لیٹا ہوا سے بدل دے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ مذکورہ بالا حدیث میں جو شیطانی خواب کیلئے حلم کا لفظ آیا ہے یہ بطور شرعی اصطلاح کے ہے ورنہ حلم جس کی جمع احلام ہے لغت کی رو سے رؤیاء کے معنوں میں ہی استعمال ہوتا ہے ہاں جو رؤیاء اللہ تعالےٰ کی طرف سے دکھائی جاتی ہے اس کے لئے صالحہ کا لفظ بطور صفت کے استعمال کیا جاتا ہے تاکہ شیطانی خوابوں اور رحمانی خوابوں میں خط امتیاز قائم رہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اچھا خواب صرف دوستوں سے بیان کیا جائے اس بناء پر ہے کہ دشمن بعض اوقات حسد کی وجہ سے مصیبت کا باعث بھی بن جاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو ہدایت فرمائی تھی کہ اپنے بدخواہ بھائیوں کو اپنا خواب نہ سنانا کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ حسد کی وجہ سے تیرے لئے کوئی

ابتلاء کی صورت پیدا کر دیں۔ ہاں خیر اندیش اہلِ قرابت سے اچھا خواب بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ ان کے لئے ایسا خواب باعثِ مسرت ہوگا اور ان کی دلی خواہش ہوگی کہ یہ خواب جلد از جلد پورا ہو۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ مکروہ خواب دیکھنے پر اس کے شر سے بچنے کے لئے اَعُوْذُ پڑھکر خدا کی پناہ طلب کی جائے اور تین دفعہ بائیں طرف تھوکا جائے اس بناء پر ہے کہ اگر وہ مکروہ خواب اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہی بطور ابتلاء کے ہے تو اس ابتلاء سے اللہ تعالےٰ ہی بچا سکتا ہے اور اگر شیطان کی طرف سے ہے تو وہ کسی شیطانی مناسبت کی وجہ سے ہوگا اس لئے ایسا خواب دیکھنے پر تین دفعہ تھوکنے کے ذریعہ اظہارِ نفرت ہی کافی ہے۔ کیا بلحاظ خواب کے مکروہ ہونے کے اور کیا بلحاظ اس شیطانی مناسبت کے جس کی وجہ سے شیطان نے اس کو ایسا خواب دکھایا کیونکہ بحکم

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ۔ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ (شعراء آیت ۲۲۱-۲۲۲)

شیطان انہیں لوگوں پر اترا کرتے ہیں جو دروغگو ہوتے ہیں وجہ یہ کہ دروغگوئی کی عادت شیطان سے ایک طرح کی مناسبت پیدا کر دیتی ہے اور انسان کے قلبِ سلیم اور اس کی فطرتِ صحیحہ

کے توازن کو بگاڑ دیتی ہے جس کی وجہ سے شیطان اس پر مسلّط ہو جاتا ہے اور مکروہ خوابوں کے ذریعہ اس کے لئے باعثِ ابتلا بنجاتا ہے۔ لیکن صالح اور صادق انسان چونکہ اپنی نیکی اور راستبازی سے شیطان کی راہیں اپنے اوپر بند کر لیتا ہے اس لئے اس پر ملائکہ کے نزول کا دروازہ کھل جاتا ہے اور اس کے اکثر خواب سچے نکلتے ہیں مگر اس کے برعکس کاذب اور فاسق انسان پر چونکہ شیطان مسلّط ہوتا ہے اس لئے اس کے اکثر خواب جھوٹے نکلتے ہیں۔ الغرض شیطانی خوابوں کی ایک وجہ دروغگوئی[1] کی عادت بھی ہے اور اگر دروغگوئی کی عادت نہ بھی ہو تو دوسرے معاصی بھی شیطانی خوابیں دکھانے کا موجب ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ ربّانی

---

[1] حدیث میں آتا ہے کہ اَصْدَقُکُمْ رُؤْیَا اَصْدَقُکُمْ حَدِیْثًا (جامع ترمذی) یعنی تم میں سے سب سے سچّا خواب دیکھنے والا وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ سچ بولنے والا ہے۔

یہ حدیث خواب کی نفسیات سمجھنے کے لئے کلیدی حیثیت کی حامل ہے لیکن یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ ماہرین نفسیات جس خواب کی تشریح کرتے ہیں وہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے اور چیز ہے اور رؤیائے صالحہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے اور چیز ہے۔

تَنَزَّلُ عَلٰی کُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ

میں اثیم کے لفظ سے ظاہر ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ مکروہ خواب دیکھنے پر پہلو بدل لیا جاوے تو یہ پہلو کا بدلنا بھی دراصل ایک طرح کا اظہارِ نفرت ہی ہے جیسا کہ تھوکنے کے فعل میں ایک طرح کا اظہارِ نفرت پایا جاتا ہے۔ اور یہ ارشاد اس لئے بھی ہو سکتا ہے کہ پہلو بدلنے سے خیالات کی رَو بدل جائے اور اس لئے بھی کہ بعض اوقات سیدھا لیٹنے سے سینے پر ہاتھ آجاتا ہے جس کے نتیجہ میں قلب پر بوجھ پڑتا ہے اور متوحش خوابوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس وقت پہلو بدل لیا جائے تو وہ سلسلہ رُک جاتا ہے۔ اسی طرح بائیں پہلو پر سونے سے بھی قلب پر بوجھ پڑتا ہے اور یہ بوجھ بعض اوقات مکروہ خواب کا بھی باعث بن جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دائیں پہلو پر خوابِ استراحت فرمایا کرتے تھے۔ کیا عجب کہ یہ طریق رحمانی خوابوں کے قریب کرنے والا اور شیطانی خوابوں سے دور رکھنے والا ہو۔ کیونکہ دائیں بائیں کا تعلق بعض حالات میں خیر اور شر سے بھی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں نیکی والوں کو اصحاب الیمین اور بدی والوں کو اصحاب الشمال قرار دیا گیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ

کی طرف سے بھی منذر خواب دکھا یا جاتا ہے۔ لیکن جیسا کہ ڈاکٹر کے چیر نے پھاڑنے کا پُر حکمت فعل اپنے اندر شفقت کا پہلو رکھتا ہے اسی طرح اللہ تعالےٰ کی طرف سے دکھایا ہوا منذر خواب بھی صالحہ ہونے کی وجہ سے اپنے اندر رحمت کا پہلو رکھتا ہے اور اس سے مقصود انسان کی اصلاح اور تادیب ہوتی ہے نہ کہ تخویف اور ترہیب۔

رویائے صالحہ کی اہمیت اس امر سے بھی ظاہر ہے کہ آنحضرت نے اسے نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا ہے اور یہ ارشاد بھی فرمایا ہے کہ

لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ ۔ (بخاری)

یعنی انواعِ نبوت میں سے صرف مبشرات والی نوع باقی ہے، اور یہ مبشرات والی نوع رؤیا، کشف اور الہام سب پر حاوی ہے اور ان سب کا تعلق قلب سے ہے جیسا کہ آیت کریمہ :-

مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ۔ (نجم)

سے ظاہر ہے یعنی آنحضرت کے قلب پر جو انکشاف ہوا خواہ الہام سے خواہ کشف سے خواہ رؤیا سے وہ کذب کے شائبہ سے پاک تھا ہر کیف لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ ایک جامع حدیث ہے اور اس میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ رویائے صالحہ کا دروازہ تا قیامت کھلا رہے گا۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے بھی روحانی قوتوں کا سرچشمہ قلب کو ہی قرار دیا ہے چنانچہ حضور اپنی پُرمعارف تصنیف حقیقۃ الوحی میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"وہ خدا جو کریم و رحیم ہے جیسا کہ اس نے انسانی فطرت کو اپنی کامل معرفت کی بھوک اور پیاس لگادی ہے ایسا ہی اس نے اس معرفتِ کاملہ تک پہنچانے کے لئے انسانی فطرت کو دو قسم کے قویٰ عنایت فرمائے ہیں ایک معقولی قوتیں جن کا منبع دماغ ہے اور ایک روحانی قوتیں جن کا منبع دل ہے اور جن کی صفائی دل کی صفائی پر موقوف ہے اور جن باتوں کو معقولی قوتیں کامل طور پر دریافت نہیں کرسکتیں روحانی قوتیں ان کی حقیقت تک پہنچ جاتی ہیں۔" (حقیقۃ الوحی صہ)

اسی طرح حدیث میں یہ بھی تصریح ہے کہ اللہ تعالےٰ بعض اوقات اپنے خاص بندوں کے لئے عام لوگوں کو بھی خواب دکھا دیتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اَلْمُؤْمِنُ یَرٰی اَوْ یُرٰی لَہٗ۔ (مشکوٰۃ)

یعنی مومن کبھی خود خواب دیکھتا ہے اور کبھی دوسروں کو اس کے متعلق خواب دکھایا جاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات کافروں کو بھی سچا خواب آجاتا ہے تاکہ وہ اللہ تعالےٰ کے مومن بندوں کے

سچے خوابوں سے انکار نہ کر سکیں۔

اسی طرح حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ جب مہدیٔ معہود کا ظہور ہوگا تو آسمان سے آواز آئے گی:۔

هٰذَا خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِيُّ فَاسْمَعُوْا وَ أَطِيْعُوْهُ۔ (حجج الکرامہ ص۳۶۶)

یعنی یہ مہدی اللہ تعالےٰ کا خلیفہ ہے اس کی سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

اور آسمان سے آواز آنے کا یہی مطلب ہے کہ لوگ اللہ تعالےٰ سے براہِ راست بشارات پا کر اس خلیفۃ اللہ کے حلقہ اطاعت میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کریں گے۔ چنانچہ اس حدیث کے مطابق ہزاروں لوگ بذریعہ رؤیا و کشوف مہدیِ وقت کی صداقت پر مطلع ہوئے اور انہوں نے آپ پر ایمان لانے کی توفیق پائی۔

اور قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی بعض لوگوں کی رہنمائی اللہ تعالےٰ کی طرف سے کی گئی تھی اور وہ بذریعہ وحی ایمان کی دولت سے بہرہ یاب ہوئے تھے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:۔

وَ اِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَ بِرَسُوْلِيْ قَالُوْآ اٰمَنَّا۔ (مائدہ آیت ۱۱۲)

یعنی اس وقت کو یاد کرو جب مَیں نے حواریوں کو

وحی کی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لاتے ہیں۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ چونکہ مثیلِ مسیح بھی تھے اس لئے ضروری تھا کہ آپ کے زمانہ میں بھی ایسا ہی وقوع میں آتا۔ اور لوگ بذریعہ وحی آپ پر ایمان لانے کی سعادت حاصل کرتے چنانچہ اسی طرح ہوا اور ہزاروں لوگوں نے بذریعہ وحی آپ پر ایمان لانے کی سعادت حاصل کی۔

انجیل میں بھی آتا ہے کہ آخری زمانہ میں لوگوں کو بکثرت سچے خواب دکھائے جائیں گے۔ حوالہ یہ ہے کہ:۔

"خدا فرماتا ہے کہ آخری دنوں میں ایسا ہوگا۔ کہ میں اپنی روح میں سے ہر بشر پر ڈالوں گا اور تمہارے بیٹے اور تمہاری بیٹیاں نبوت کریں گی اور تمہارے نوجوان رؤیا اور تمہارے بڈھے خواب دیکھیں گے"

(اعمال ۲/۱۷-۱۸)

چنانچہ آخری زمانہ میں آسمان کے دروازے کھولے گئے۔ اور روحانی انوار کی موسلا دھار بارش ہوئی جس سے ہر شخص بقدرِ استعداد فیضیاب ہوا۔ اور جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کو بشارت دی تھی کہ

يَنصُرُكَ رِجَالٌ نُّوحِیۡ اِلَيۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ۔
(تذکرہ)

تیری مدد وہ لوگ کریں گے جن کو ہم آسمان سے وحی کرینگے۔
قریبًا ہر ملک اور ہر قوم اور ہر طبقہ کے ہزار ہا لوگ اللہ تعالیٰ سے بشارات پاکر آپ کی مدد کے لئے کمربستہ ہو گئے اور مزید ہزار ہا سعید روحوں کی ہدایت کا موجب بنے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جس طرح بمطابق آیت کریمہ
اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ۔ (انعام آیت ۱۲۵)
اللہ تعالےٰ اپنے رسولوں کا انتخاب خود کرتا ہے اسی طرح بمطابق آیت کریمہ
اَللّٰهُ يَجۡتَبِیۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِیۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ يُّنِيۡبُ۔ (شوریٰ آیت ۱۴)
وہ رسولوں کے ممتاز صحابہ کا انتخاب بھی خود ہی فرماتا ہے ؎

آسماں پر دعوتِ حق کے لئے اک جوش ہے
ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اُتار
اسمعوا صوت السماء جاء المسیح جاء المسیح
نیز بشنو از زمیں آمد امامِ کامگار (دُرِّثمین)

قولہ ۱۸

مرزا صاحب مسیلمہ کذّاب کی طرح جھوٹے مدعیٔ نبوّت

ہیں اور حدیث اِنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ ثَلَاثُوْنَ كَذَّابُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِيٌّ (بخاری) سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امّتِ مسلمہ میں تیس جھوٹے دعویدار پیدا ہوں گے۔

اقول

افسوس یہ اعتراض کرنے والے بالعموم ایسے لوگ ہیں جنھیں یہ علم ہی نہیں کہ مسیلمہ کذّاب کون تھا اور حضرت مرزا صاحب کی تعلیم کیا ہے؟ ورنہ اس قسم کا اعتراض کرنے کی جسارت ہرگز نہ کرتے برِصغیر کے مسلّمہ عالمِ دین جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالوی مسیلمہ کذّاب کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"اس نے ادّعا کیا کہ وہ نبوّت میں آنحضرت صلعم کا شریک ہے اور زنا اور شراب کو حلال قرار دیا فریضۂ نماز کو ساقط کر دیا۔ قرآن مجید کے مقابل سورتیں لکھیں پس شریر اور مفسد لوگوں کا گروہ اس کے تابع ہو گیا"

(حجج الکرامہ ص۲۳۴ ترجمہ از فارسی)

اب اس کے مقابل حضرت مرزا صاحب کی تعلیم ملاحظہ فرمائیے۔ آپ اپنی ایمان افروز تصنیف "کشتی نوح" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے

جو لوگ قرآن کو عزّت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔ جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا۔

نوعِ انسان کے لئے رُوے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور تمام آدمزادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچّی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو۔ تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ۔" (کشتی نوح صـ۲۳)

امید ہے کہ ان دو حوالوں سے ہی آپ کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ مسیلمہ کذّاب کس قماش کا مدعی تھا اور حضرت مرزا صاحب کس شان کے مامور ہیں اگر ایک کا مقصد اسلام کا استیصال تھا تو دوسرے کا مقصد اسلام کا استحکام ہے۔

پھر اللہ تعالےٰ اپنے حبیب محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝

(الحاقہ آیت ۴۵-۴۶-۴۷)

یعنی اگر یہ شخص بھی ہماری طرف جھوٹا الہام منسوب
کرتا خواہ ایک ہی ہوتا تو ہم یقیناً اس کو دائیں ہاتھ سے
پکڑ لیتے اور اس کی رگِ جان کاٹ ڈالتے۔

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹا الہام منسوب کرنے والا قتل ہو جاتا ہے۔ اور دنیا کی کوئی طاقت اسے تقوّل کی سزا سے بچا نہیں سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ جمعیّت و طاقت کے باوجود مسیلمہ کذّاب قتل ہو گیا اور آج دنیا میں اس کا کوئی پیروکار نظر نہیں آتا لیکن محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم قتل سے محفوظ رہے اور باوجود شدید مخالفت کے آپ کا سلسلہ روز بروز ترقی کرتا چلا گیا یہانتک کہ دنیا پر محیط ہو گیا۔ اب آؤ اور اسی معیارِ نبوّت سے بانی سلسلہ احمدیہ کی صداقت کو پرکھ لو کہ آپ اپنے دعوٰے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح صادق ہیں۔ یا مسیلمہ کی طرح کاذب؟ باوجودیکہ دعوٰی کے بعد آپنے آنحضرت کے زمانہ نبوّت سے بھی زیادہ زمانہ گذارا اور قریبًا تئیس سال تک اپنے الہامات شائع کرتے رہے۔ پھر بھی آپ قتل سے محفوظ رہے اور آپ کا سلسلہ ہزارہا مخالفتوں کے باوجود دن دونی اور رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ کیا یہ امر آپ کی صداقت کا روشن ثبوت نہیں؟ سچ سچ کہو اگر مرزا صاحب متقوّل ہوتے تو کیا آپ تقوّل کی سزا سے بچ سکتے تھے؟ اور کیا وہ خدا جو اپنے حبیب

سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس معاملہ میں رو رعایت کرنے کے لئے تیار نہیں اور آپ کی نسبت اعلان کر رہا ہے کہ بصورتِ تقوّل میں اس کی بھی رگِ جان کاٹ دیتا۔ وہ بصورت تقوّل مرزا صاحب کو چھوڑ دیتا اور ان کی رگِ جان نہ کاٹتا؟ سوچو اور پھر سوچو ؎

صاف دل کو کثرتِ اعجاز کی حاجت نہیں
اک نشاں کافی ہے گر دل میں ہو خوفِ کردگار (درثمین)

باقی رہی بخاری کی حدیث اِنَّہٗ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلَاثُوْنَ کَذَّابُوْنَ کُلُّھُمْ یَزْعَمُ اِنَّہٗ نَبِیٌّ۔ تو اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ وہ تیس مدعیانِ نبوّت ہیں جو اسلامی شریعت کو منسوخ قرار دے کر نئی شریعت لانے کے دعویدار تھے۔ اور جن کی تعداد مسیح موعود کی بعثت سے قبل پوری ہو چکی ہے جیسا کہ حجج الکرامہ اور اکمال الاکمال وغیرہ کتب میں اس امر کی تصریح موجود ہے۔ اور لفظ سَیَکُوْنُ کا "س" بھی اسی امر پر دلالت کرتا ہے کہ انہیں آنحضرت کے بعد مستقبل قریب میں پیدا ہونا تھا۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ اس حدیث میں آنحضرت نے یہ نہیں فرمایا کہ میری امت میں جو بھی نبوّت کا دعویٰ کرے گا وہ کذّاب ہوگا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ میری امت میں تیس

کذاب پیدا ہوں گے جو نبوّت کا دعویٰ کریں گے۔ پس ان دونوں باتوں میں بہت بھاری فرق ہے اور تیس کی حدبندی صاف بتا رہی ہے کہ آنحضرت کے بعد سچے نبی بھی آئیں گے ورنہ آپ یہ فرماتے کہ میرے بعد جو شخص بھی نبوّت کا دعویٰ کرے گا وہ کذّاب ہوگا۔

الغرض اس حدیث سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آہو لا مسیح موعود اپنے دعوے میں سچا نہیں۔

ماسوا اس کے یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ جہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ امتِ مسلمہ میں تیس جھوٹے دعویدار کھڑے ہوں گے جو یہ دعویٰ کریں گے کہ وہ نبی ہیں حالانکہ وہ نبی نہ ہوں گے وہاں آپ نے یہ پیشگوئی بھی فرمائی ہے کہ امتِ مسلمہ میں ایک سچّا مامور بھی آئے گا جس کی صداقت کے لئے اللہ تعالےٰ آسمان پر دو نشان کرے گا۔ ایک یہ کہ رمضان کے مہینے میں چاند گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات یعنی تیرہ ۱۳ ماہِ رمضان کو چاند گرہن ہوگا۔ اور دوسرا یہ کہ اسی ماہِ رمضان میں سورج گرہن کے دنوں میں سے درمیانے دن یعنی اٹھائیس ماہِ رمضان کو سورج گرہن ہوگا۔ اور یہ دونوں نشان ایسے ہیں کہ جب سے دنیا عالمِ وجود میں آئی ہے کسی مامور کیلئے ظاہر نہیں ہوئے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

اِنَّ لِمَھْدِیِّنَا اٰیَتَیْنِ لَمْ تَکُوْنَا مُنْذُ خَلَقَ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ يَنْكَسِفُ الْقَمَرُ لِاَوَّلِ لَيْلَةٍ مِّنْ رَمَضَانَ وَتَنْكَسِفُ الشَّمْسُ فِى النِّصْفِ مِنْهُ وَلَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ (دار قطنی جلد اوّل ص۱۸۸)

چنانچہ خدائے قادر و توانا کے اعلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ۱۸۹۴ء کے ماہِ رمضان ۱۳۱۱ھ بعینہ انہیں تاریخوں کو جن کی حدیث میں نشاندہی کی گئی تھی چاند اور سورج کو گرہن لگا جس کے نتیجہ میں ہزار ہا سعید روحوں نے امام وقت کو شناخت کرکے اس پر ایمان لانے کی سعادت حاصل کی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات سے لے کر چودھویں صدی تک نبوت کے کئی دعویدار کھڑے ہوئے مگر ان میں سے کوئی بھی ایسا دعویدار نہیں تھا جس کی صداقت پر چاند اور سورج نے ماہِ رمضان میں اس طرح مقررہ تاریخوں پر گواہی دی ہو۔ ایک بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہی ایسے دعویدار تھے جن کے وقت یہ عظیم الشان نشان ظاہر ہوا اور جنہوں نے اپنے آقا سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات سے کامل حصّہ پاکر یہ اعلان کیا کہ:۔

"اگر آسمانی نشانوں میں کوئی میرا مقابلہ کر سکے تو میں

جھوٹا ہوں۔ اگر قرآن کے نکات اور معارف بیان کرنے میں کوئی میرا ہم پلہ ٹھہر سکے تو میں جھوٹا ہوں۔ اگر غیب کی پوشیدہ باتیں اور اسرار جو خدا کی اقتداری قوت کے ساتھ پیش از وقت مجھ سے ظاہر ہوتے ہیں ان میں کوئی میری برابری کر سکے۔ تو میں خدا کی طرف سے نہیں ہوں۔" (اربعین اوّل ص۳)

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں اب آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ مرزا صاحب صادق ہیں یا کاذب۔ مقبول ہیں یا مردود۔ مسیح ہیں یا دجال؟ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کی تائید اور نصرت انہیں لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو اس کے برگزیدہ اور راستباز بندے ہوتے ہیں نہ کہ ملعون اور مفتری۔ ارشادِ ربّانی ہے:۔

اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡاَشۡہَادُ ۙ

(مومن آیت ۵۲)

ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی دنیوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس روز بھی کریں گے جبکہ گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے۔

تأثّرات

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے تبلیغی و اصلاحی و اخلاقی و رُوحانی کارناموں کے بارے میں بعض نامور اہلِ قلم حضرات کی آراء ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:۔

۱۔ فرقہ اہلحدیث کے مشہور لیڈر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی لاجواب تصنیف "براہین احمدیہ" پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

"ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں اور موجودہ حالات کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی اور آئندہ کی خبر نہیں لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔ اور اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔"

(رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ۷ صفحہ ۱۶۹)

۲۔ مولانا نیاز فتحپوری مدیر ماہنامہ "نگار" تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"کلامِ مجید سے ہر زمانہ اور ہر قوم میں کسی نہ کسی ہادی و

مصلح کا پیدا ہونا ثابت ہے اور میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مرزا صاحب جھوٹے انسان نہیں تھے وہ واقعی اپنے آپ کو مہدیٔ موعود سمجھتے تھے اور یقیناً انہوں نے یہ دعوائے ایسے زمانہ میں کیا جب قوم کی اصلاح و تنظیم کے لئے ایک ہادی و مرشد کی سخت ضرورت تھی۔

علاوہ اس کے دوسرا معیار جس سے ہم کسی کی صداقت کو جان سکتے ہیں نتیجۂ عمل ہے سو اس باب میں احمدیہ جماعت کی کامیابیاں اس درجہ واضح و روشن ہیں کہ اس سے ان کے مخالفین بھی انکار کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اس وقت دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں ان کی تبلیغی جماعتیں اپنے کام میں مصروف نہ ہوں اور انہوں نے خاص عزت و وقار حاصل نہ کر لیا ہو۔ پھر کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ کامیابیاں بغیر انتہائی خلوص و صداقت کے آسانی سے حاصل ہو سکتی ہیں اور کیا یہ جذبۂ خلوص و صداقت کسی جماعت میں پیدا ہو سکتا ہے اگر اسے اپنے ہادی و مرشد کی صداقت پر یقین نہ ہو؟ اور کیا وہ ہادی و مرشد اتنی مخلص جماعت پیدا کر سکتا تھا اگر وہ اپنی جگہ صادق و مخلص نہ ہوتا۔ بہر حال

اس سے انکار ممکن نہیں کہ مرزا صاحب بڑے مخلص انسان تھے اور یہ محض ان کے خلوص کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی بے عمل جماعت میں عملی زندگی کا احساس پیدا ہوا۔ اور ایک مستقل حقیقت بن گیا۔" (ماہنامہ نگار لکھنؤ اگست ۱۹۵۹ء)

۳۔ اسی طرح مولانا موصوف نومبر کے شمارہ میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

"اس میں کلام نہیں کہ انہوں نے یقیناً اخلاقِ اسلامی کو دوبارہ زندہ کیا اور ایک ایسی جماعت پیدا کر کے دکھا دی جس کی زندگی کو ہم یقیناً اسوۂ نبی کا پرتو کہہ سکتے ہیں۔" (نگار ماہ نومبر ۱۹۵۹ء)

۴۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے جسے فرقۂ قادیانی کہتے ہیں۔"

(ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر ص۱۸)

۵۔ جناب شمس العلماء سیّد ممتاز علی صاحب مدیر رسالہ "تہذیب النسواں" نے حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:۔

"مرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے اور نیکی کی ایسی قوت رکھتے تھے۔ جو سخت سے سخت دل کو

تسخیر کر لینی تھی۔ وہ نہایت باخبر عالم۔ بلند ہمت مصلح اور پاک زندگی کا نمونہ تھے۔ ہم انہیں مذہبًا مسیح موعود تو نہیں مانتے لیکن ان کی ہدایت اور رہنمائی مُردہ روحوں کے لئے واقعی مسیحائی تھی۔"

(رسالہ تہذیب النسواں ۱۹۰۸ء لاہور)

(بحوالہ تشحیذ الاذہان جلد ۳ صلہ)

۶۔ اخبار "وکیل" جس کے حلقۂ ادارت میں اُس وقت مولانا ابوالکلام آزاد بھی شامل تھے اس نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی وفات پر لکھا کہ:۔

"وہ شخص۔ بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو۔ وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا۔ جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی۔ جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار الجھے ہوئے تھے اور جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں۔ وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان بنا رہا جو شورِ قیامت ہو کر خفتگانِ خوابِ ہستی کو بیدار کرتا رہا۔ دنیا سے اُٹھ گیا۔

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جائے۔ ایسے لوگ جن سے

مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازشِ فرزندانِ تاریخ بہت کم منظرِ عالم پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں تو دنیا میں ایک انقلاب پیدا کرکے دکھا جاتے ہیں۔ مرزا صاحب کی اس رحلت نے مسلمانوں کو ہاں تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا ہے کہ ان کا ایک بڑا شخص ان سے جدا ہوگیا ہے اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اس کی ذات کے ساتھ وابستہ تھی خاتمہ ہوگیا۔ ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے رہے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جائے۔

مرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر ان سے ظہور میں آیا قبولِ عام کی سند حاصل کرچکا ہے۔ اور اس خصوصیت میں وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اس لٹریچر کی قدر و قیمت آج جبکہ وہ اپنا کام پورا کرچکا ہے ہمیں دل سے تسلیم کرنا پڑتی ہے۔ اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے ابتدائی اثر کے پرخچے اڑائے جو سلطنت کے سایہ میں ہونیکی وجہ سے

حقیقت میں اس کی جان تھا بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دھواں ہو کر اُڑنے لگا۔ غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنیوالی نسلوں کو گرانبارِ احسان رکھے گی کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرضِ مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون ہے اور حمایتِ اسلام کا جذبہ ان کے شعارِ قومی کا عنوان نظر آئے قائم رہے گا۔

اس کے علاوہ آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحب نے اسلام کی بہت خاص خدمت سرانجام دی ہے۔ آئندہ امید نہیں کہ مذہبی دنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو۔" (اختصاراً)

(اخبار وکیل امرتسر مئی ۱۹۰۸ء بحوالہ بدر ۱۸ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۲-۳)

والسلام و آخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد و الہٖ و اصحابہٖ اجمعین استغیث برحمتک یا ارحم الراحمین وبفضلک ارجو یا ذا الفضل العظیم۔

اٰمین

ہمارا مذہب

(رقم فرمودہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام)

ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اُس کے رسُول اور خاتم الانبیاء ہیں۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائک حق، اور حشرِ اجساد حق، اور روزِ حساب حق، اور جنّت حق اور جہنّم حق ہے۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو کچھ اللہ جلّ شانہٗ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے اور جو کچھ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ سب بلحاظ بیانِ مذکورہ بالا حق ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو شخص اس شریعتِ اسلام میں سے ایک ذرّہ کم کرے یا ایک ذرّہ زیادہ کرے یا ترکِ فرائض اور اباحت کی بنیاد ڈالے، وہ بے ایمان اور اسلام سے برگشتہ ہے اور ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ سچّے دل سے اس کلمۂ طیّبہ پر ایمان رکھیں کہ لا الٰہ الّا اللہ محمّد رسُول اللہ اور اسی پر مریں۔ اور تمام انبیاء اور تمام کتابیں جن کی سچّائی قرآن شریف سے ثابت ہے ان سب پر ایمان لاویں اور صوم اور صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور حج اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ تمام فرائض کو فرائض سمجھکر اور تمام منہیات کو منہیات سمجھکر ٹھیک ٹھیک اسلام پر کاربند ہوں۔ غرض وہ تمام امور جن پر سلفِ صالحین کو اعتقادی اور عملی طور پر اجماع تھا اور وہ امور جو اہلِ سنّت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں۔ ان سب کا ماننا فرض ہے اور ہم آسمان اور زمین کو اس بات پر گواہ کرتے ہیں کہ یہی ہمارا مذہب ہے۔"

(ایام الصلح صفحہ ۸۶-۸۷ طبع اوّل)

نام کتاب — فیضانِ نبوّت

از افاضات — حضرت مولینا ابوالبرکات غلام رسول صاحب قدسی راجیکی

مرتبہ — مبشر احمد راجیکی

طبع اوّل — جولائی سنہ ۱۹۷۸ء

مطبع — اکیڈمک پریس کبیر سٹریٹ لاہور

طابع —

ناشر — وقفِ جدید انجمن احمدیہ ربوہ

تعداد — دو ہزار